ماہنامہ
نقیبِ ختمِ نبوّت
ملتان

٣

ذوالقعدہ : ۱۴۱۹ھ
مارچ : ۱۹۹۹ء

شہداءِ ختمِ نبوّت کی یاد میں .....

واجپائی کا دورۂ پاکستان
اندیشے اور خطرات

مدرسہ کیا ہے؟
مفکرِ اسلام سید ابوالحسن علی ندوی کا
ایمان افروز خطاب

مہذب کون، انقلابی کون؟
امیرِ الاحرار سید عطاء المحسن بخاری کا بصیرت افروز خطاب

ربوہ کا نیا نام "چناب نگر"
مجلس احرارِ اسلام
کی عظیم کامیابی

تردید "اصلاحی" یا توہینِ صحابیؓ؟

مجاہدِ ختمِ نبوّت
آغا شورش کاشمیری

"یورو" کا اجراء
اور
عالمِ اسلام

الجزائر میں مسلمانوں کا قتلِ عام!

عزت کا حقدار

ہم تو زندگی کے دن اس امید پر گزار رہے ہیں کہ اللہ ہمیں باطل کی سرکوبی کے لئے زندہ رکھے اور حق کی خاطر دنیا کی ہر ذلت اٹھانے کے لئے تیار رہنے کی توفیق دے۔ حق کے لئے ذلت اٹھانا اللہ کے نزدیک حقیقی عزت ہے۔ عین رفعت و بلندی اور عین مقصد زندگی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں۔

ولِلّٰہ العزت ولرسولہ وللمومنین ولکن المنافقین لا یعلمون ہ

مسلمان کہلانے والے لیڈر اور فرقے جو اللہ کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کے دستر خوان پر روحانیت کے ریزے چنتے ہیں مگر کلمہ پڑھتے ہیں افلاطون کا، نعرہ لگاتے ہیں چیمبر لین کا، قصائد پڑھتے ہیں روزویلٹ کے، نکسن اور ولن کے، خوشامدی بنتے ہیں مارشل ٹیٹو کے، رہنما مانتے ہیں برزنیف کو سیجن، لینن اور سٹالن کو، تعریف کرتے ہیں ماؤزے تنگ کی۔ ان کو سمجھ لینا چاہیے کہ وہ اللہ کے فیصلہ اور فتویٰ کے مطابق منافق ہیں۔ اللہ کا اعلان ہے کہ عزت اسی کے پاس ہے عزت کا اصل حق دار اس کا رسول ہے اور عزت ایمان والوں کے لئے ہے۔ دنیا کی اقوام چاہے مسلمانوں کو کتنا ہی حقیر اور ذلیل سمجھیں لیکن اللہ کا فتویٰ یہی ہے کہ عزت کے اصل حقدار امت رسول (صلی اللہ علیہ وسلم) کے مسلمان ہیں۔ عزت ان کا حق ہے اور وہی عزت کے مستحق ہیں۔ جس نے خدا جیسی بلند و برتر ہستی کو وحدہ، لاشریک مان لیا، جس نے محمد کریم صلی اللہ علیہ وسلم جیسی بلند و بالا شخصیت کو اللہ کا آخری نبی و رسول مان لیا اور اپنا اور پوری کائنات کا قائد اعظم تسلیم کر لیا وہ حقیر اور ذلیل نہیں ہو سکتا۔ ایمان والوں کو حقیر اور ذلیل کہنے والا خود کائنات کا سب سے بڑا ذلیل ہے۔

جانشین امیر شریعت سید ابوذر بخاری رحمہ اللہ

اقتباس خطاب

(حاصل پور۔ ۶۔ مارچ ۱۹۸۲ء)

Regd: M - No.32

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

ذوالقعدہ: ۱۴۱۹ھ
مارچ: ۱۹۹۹ء

زرِ تعاون سالانہ:
اندرون ملک ۱۵۰ روپے،
بیرون ملک ۱۰۰۰ روپے پاکستانی

جلد: ۱۰، شمارہ: ۳، قیمت: ۱۵ روپے،

مجلس ادارت

* زیرِسرپرستی: حضرت مولاناخواجہ خان محمدمدظلہ
* رئیس التحریر: سید عطاءالمحسن بخاری
* مدیرمسئول: سیدمحمدکفیل بخاری

رفقاء فکر

ابنِ امیرشریعت حضرت پیرجی سیدعطاءالمہیمن بخاری مدظلہ

- پروفیسرخالدشبیر احمد
- سیدخالدمسعود گیلانی
- مولانا محمداسحٰق سلیمی
- مولانامحمدمغیرہ
- عبداللطیف خالدچیمہ
- محمدعمرفاروق
- ابوسفیان تائب
- ساغراقبالی

رابطہ: دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان فون: 511961

تحریک تحفظِ ختمِ نبوت (شعبہ تبلیغ) مجلسِ احرارِ اسلام پاکستان

ناشر: سید محمد کفیل بخاری، طابع: تشکیل احمد اختر، مطبع: تشکیل نو پرنٹرز، مقامِ اشاعت: دارِ بنی ہاشم ملتان

تشکیل

دل کی بات: اداریہ ——— مدیر ——— ۳

شاعری: (نعت)، سید اکاشف گیلانی، سید حباب ترمذی، علیم ناصری، ملک ماہر کرنالوی ——— ۷

قلم برداشتہ: "ہوا بینڈ کی کوز کام، اللہ اللہ" امیر احرار سید عطاء المحسن بخاری ——— ۹

خطاب: مہذب کون ہے؟ انقلابی کون ہے؟ (مرتب: ساغر اقبالی، خطاب: سید عطاء المحسن بخاری ۱۰

افکار: "یورو" کا اجراء اور عالم اسلام محمد عمر فاروق ——— ۱۳

الجزائر میں مسلمانوں کا قتل عام محمد عمر فاروق ——— ۱۵

دین و دانش:

مدرسہ کیا ہے؟ مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی ۱۸

دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں مولانا محمد زکریا سنبھلی ——— ۲۰

اللہ سے گمان اچھا رکھیں حافظ احمد شاکر ——— ۲۴

فضائل قرآن: بعض سورتوں کے فضائل مولانا عبد الواحد مخدوم ——— ۲۶

نقد و نظر: تردید "اصلاحی" یا توہینِ صحابیؓ پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی ——— ۲۸

شخصیت: مجاہد ختم نبوت آغا شورش کاشمیریؒ محمد اورنگزیب اعوان ——— ۴۷

رد قادیانیت: اور مرزائی سازش ناکام ہو گئی! دین محمد فریدی ——— ۵۲

نقطۂ نظر: جمہوریت کی تباہ کاریاں ——— جند وڈا ——— ۵۳

اخبار الاحرار: تنظیمی خبریں ——— ادارہ ——— ۵۵

حسنِ انتقاد: تبصرہ کتب ——— ذ۔ بخاری ——— ۵۸

ترحیم: مسافرانِ آخرت ——— ادارہ ——— ۶۱

دل کی بات

واجپائی کا دورۂ پاکستان اندیشے اور خدشات

۲۰ فروری ۱۹۹۹ء کو بھارتی وزیراعظم مسٹر اٹل بہاری واجپائی نے "طے شدہ پروگرام" کے مطابق پاکستان کا طوفانی دورہ کیا۔ وہ امرتسر سے بس کے ذریعے واہگہ بارڈر پہنچے جہاں وزیراعظم پاکستان مسٹر نواز شریف نے ان کا والہانہ استقبال کیا اور بذریعہ ہیلی کاپٹر انہیں گورنر ہاؤس لاہور پہنچا دیا گیا۔ ایک دن مذاکرات ہوئے اور رسمی بیان بازی کے بعد وہ شام کو واپس بھارت روانہ ہو گئے۔

پاکستان بھارت تعلقات روز اول سے ہی درست نہیں۔ خصوصاً ۱۹۶۵ء تا ۱۹۷۱ء کی جنگوں نے دونوں ملکوں کو شدید نقصان پہنچایا اور باہمی نفرتوں کی دیوار کھڑی ہو گئی۔ بھارت نے ۶۵ء میں جو ہزیمت اٹھائی تھی ۷۱ء میں مشرقی پاکستان کی علیحدگی کی صورت میں ہمیں ناقابل تلافی نقصان پہنچا کر فاتح بنا۔ اس وقت بھارت کے مقابلہ میں پاکستان بھی ایٹمی قوت بن چکا ہے۔ طاقت کا یہ توازن دہشت گرد امریکہ کسی صورت برداشت نہیں کر سکتا۔ خصوصاً نیوکلئیر پروگرام میں پاکستان کی ترقی اور خود مختاری دنیا کے کفار و مشرکین یہود و نصاریٰ کو قطعاً قبول نہیں۔ اس لئے کہ پاکستان مسلمانوں کا ملک ہے۔ عالم اسلام پر جس طرح امریکہ و برطانیہ اور فرانس و اسرائیل نے اپنا تسلط قائم کیا ہے وہ الم نشرح ہے۔ عراق کے ایٹمی پروگرام کو تباہ کیا گیا اور عالم عرب پر اپنے پٹھوؤں کو اقتدار پر مسلط کر کے تمام وسائل پر بھی ڈاکہ ڈالا گیا۔ سوویت یونین کے زوال کے بعد طاقت کا جو توازن بگڑا وہ آج تک بحال نہیں ہو سکا۔ اور اس سے افغانستان اور پاکستان کی اہمیت مزید بڑھ گئی ہے۔ اب ہم امریکہ بدمعاش کی نظر میں ہیں اور ہمارے حکمران امریکہ کے منظور نظر۔ اس کی ساری توجہ پاکستان، بھارت، افغانستان اور ایران پر ہے۔ جبکہ چین اس کے لئے چیلنج ہے۔ امریکہ یہاں کے تنازعات کو عوام کی مرضی کے مطابق نہیں بلکہ اپنی مرضی و مفاد کے مطابق حل کرنا چاہتا ہے۔ پاکستان اور بھارت کے مابین سب سے بڑا تنازعہ وادیٔ کشمیر کا ہے۔ جس کے ایک حصہ پر بھارت نے ناجائز قبضہ کر رکھا ہے۔ اصولاً تو یہ تنازعہ کشمیری عوام کی مرضی کے مطابق حل ہونا چاہیے کہ وہ کس طرح اور کس کے ساتھ رہنا چاہتے ہیں؟ یہی پاکستان کا موقف رہا ہے کہ کشمیری عوام کو استصواب رائے کا حق دیا جائے اور یہ مسئلہ اقوام متحدہ کی قراردادوں کی روشنی میں حل کیا جائے۔ مگر اقوام متحدہ کیا ہے؟ یہود و نصاریٰ کے اسلام دشمنی منصوبوں کی تکمیل کے لئے بنایا گیا مہذب بدمعاشی اور غنڈہ گردی کا اڈہ، جو امریکی پالیسیوں کا محافظ و ترجمان ہے۔ امریکہ اب پاکستان، بھارت رسہ کشی کو بہر صورت ختم کر کے ہم پر اپنے فیصلے مسلط کرنا چاہتا ہے۔ گزشتہ مہینے امریکی سیکریٹری خارجہ مسٹر ٹالبوٹ بھارت بھی گئے اور پاکستان بھی آئے۔ دونوں ملکوں کے حکمرانوں کو امریکی فیصلوں سے نہ صرف آگاہ کیا بلکہ ان کا پابند بھی

کیا۔ مسٹر واجپائی کا دورہ اسی پس منظر اور اسی کاوش کا شاخسانہ ہے۔ کشمیری عوام پر ہونے والے بھارتی مظالم کے دوران دونوں وزرائے اعظم نے جس محبت، گرم جوشی اور باہمی خلوص کا اظہار کیا ہے وہ کسی اہم فیصلے کی کڑی ہے۔ کرکٹ ڈپلومیسی اور بس ڈپلومیسی بھی اسی منصوبے کا حصہ ہے۔ پاک بھارت مذاکرات پر تو کوئی اختلاف نہیں۔ ضرور ہونے چاہئیں اور باہمی تنازعات افہام و تفہیم سے حل ہونے چاہئیں مگر قومی مفادات کا قتل عام نہیں ہونا چاہیے۔ اگر کشیدگی کے ماحول میں بھارت کو پیاز اور آلو بھیجے جاسکتے ہیں، چینی برآمد کی جاسکتی ہے تو قومی مسائل حل کر کے صلح کیوں نہیں کی جاسکتی۔ آخر وہاں صرف ہندو ہی نہیں مسلمانوں کی بہت بڑی تعداد بھی ہے۔ پیپلز پارٹی کے دور حکومت میں بھارت کو مطلوب سکھوں کی فہرست مہیا کی گئی تو اب بجلی فراہم کرنے میں کیا مضائقہ ہے۔

ہمیں خطرہ یہ ہے کہ کشمیری مسلمانوں کی آزادی کے لئے پیش کی گئی شہادتوں اور قربانیوں کا سودا ایک "کشمیری" کے ہاتھوں نہ ہو جائے۔ کشمیر کی تقسیم یا خود مختاری کشمیری تنازعہ کا حل نہیں مزید الجھاؤ ہے۔ اور ناانصافی ایٹمی ہتھیاروں کے عدم پھیلاؤ کے معاہدے سی ٹی بی ٹی پر دستخط کرنے کے لئے پاکستانی حکمران تو آمادہ و تیار نظر آتے ہیں۔ یقیناً بھارتی حکمران بھی دستخط کر دیں گے کہ اگر ستمبر ۱۹۹۹ء تک دونوں ملک اس معاہدے پر دستخط نہیں کرتے تو یہ معاہدہ ہی بیکار ہو جاتا ہے اور امریکہ ایسا نہیں ہونے دے گا۔ ٹالبوٹ یہی مشن مکمل کر کے گئے ہیں۔ جس کے عوض ہمیں "امداد، بھیک" دینے کا چکمہ دیا گیا ہے۔ اس کا واضح ثبوت یہ ہے کہ واجپائی کے دورۂ پاکستان کے فوراً بعد امریکہ کی طرف سے پاکستان پر عائد پابندیاں ختم کرنے کی "حادث خبری" ۲۳ فروری کے قومی اخبارات کی زینت بنی۔ گویا کہ ہمارے حکمران نے امریکہ کو خوش کر دیا ہے۔

خدشہ ہے کہ امریکی پروگرام کے تحت اب پاکستان میں دینی قوتوں کو کچل کر اسے سیکولر (خالص لادینی ریاست) بنانے کے پروگرام پر عمل ہوگا۔ اسلامی شرعی نظام کے قیام کی آڑ میں کفر یہ نظام رائج کیا جائے گا اور اس کام کے لئے مسلم لیگ موزوں ترین جماعت ہے۔ خدا کرے ایسا نہ ہو (آمین)

شہداء ختم نبوت کی یاد میں

۴، ۵، مارچ ۱۹۹۹ء کو مجلس احرار اسلام کے زیر اہتمام جامع مسجد احرار "چناب نگر" میں اکیسویں سالانہ دو روزہ شہداء ختم نبوت کانفرنس منعقد ہو رہی ہے۔ اس کانفرنس کا آغاز جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ نے کیا تھا۔

۱۹۵۳ء میں مجلس احرار اسلام نے حضرت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمۃ اللہ علیہ کی قیادت میں تحریک تحفظ ختم نبوت جیسی ملک گیر دینی تحریک برپا کی تھی اور تب کی مسلم لیگی حکومت سے مطالبہ کیا تھا کہ مرزائیوں کو غیر مسلم اقلیت قرار دیا جائے۔ خواجہ ناظم الدین، دولتانہ اور جنرل اعظم خان

نے تحریک کو تشدد سے کچلا، ہزاروں بے گناہ مسلمانوں کو شہید کیا۔ انہی شہداء ختم نبوت کا خون بے گناہی رنگ لایا اور ۱۹۷۴ء میں پاکستان میں مرزائیوں کو آئینی طور پر غیر مسلم اقلیت قرار دیا گیا۔ ۱۹۷۶ء میں امتناع قادیانیت آرڈیننس جاری ہوا۔ مجلس احرار اسلام کے کارکن انہی مقدس شہداء کی یاد میں ہر سال جمع ہوتے ہیں، ان کے دیئے ہوئے پیغام کا اعادہ کرتے ہیں اور ان کے مشن پر چلنے کا عزم کرتے ہیں۔ ان سطور کے ذریعے اپنے تمام قارئین، ملک بھر کے احرار کارکنوں اور تمام مسلمانوں کو دعوت دی جاتی ہے کہ وہ اس مبارک اجتماع میں "چناب نگر" پہنچ کر ہمارے حوصلے بڑھائیں اور مجلس احرار اسلام کی خالص دینی جدوجہد میں شریک ہو کر دنیا و آخرت کی فلاح پائیں۔

ربوہ کا نیا نام .... چناب نگر

حال ہی میں حکومت پنجاب نے مسلمانوں کے متفقہ مطالبے کو تسلیم کرتے ہوئے مرزائیوں کے مرکز ربوہ کا نام تبدیل کر کے "چناب نگر" رکھ دیا ہے۔ اس سلسلے میں گزشتہ کئی ماہ سے بھرپور کوششیں ہو رہی تھیں۔ پنجاب اسمبلی میں یہ آواز مولانا منظور احمد چنیوٹی نے بلند کی۔ حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم، امیر احرار حضرت سید عطاء المحسن بخاری، مولانا زاہد الراشدی اور کل جماعتی مجلس عمل تحفظ ختم نبوت میں شامل تمام جماعتوں کی کوششیں بار آور ہوئیں۔ "چناب نگر" مجلس احرار اسلام کا تجویز کردہ نام تھا۔ جسے قبول کر لیا گیا۔ ہم حکومت پنجاب کو اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے تمام رہنماؤں اور کارکنوں کو مبارک باد پیش کرتے ہیں۔ حکومت پنجاب اگر چناب نگر میں قائم مرزائیوں کے دفاتر اور اشاعتی اداروں کی تلاشی لے تو یقیناً ہمارے اس مطالبے کو بھی تسلیم کر لے گی کہ قادیانیوں کے رسائل و جرائد اور پریس ضبط کئے جائیں۔ چناب نگر کی لیز کو منسوخ کر کے مسلمانوں کو یہ زمین نیلام کر دی جائے۔ یہ پاکستان میں دوسرا تل ابیب ہے۔ جہاں ملک کی تباہی و بربادی، امت مسلمہ کی گمراہی، اور اسلام سے غداری کی سازشیں تیار ہوتی ہیں اور پروان چڑھتی ہیں ....اے خانہ برانداز چمن، کچھ تو ادھر بھی

حضرت حکیم حافظ محمد حنیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ

ہفتہ، ۲ فروری ۱۹۹۸ء، (۱۸ شوال ۱۴۱۹ھ) کو صبح سوا چھ بجے، ملتان میں حکیم حافظ محمد حنیف اللہ ۷۶ سال کی عمر میں رحلت فرما گئے۔ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ فن طبابت میں تو ان کا شمار یقیناً "ائمۂ وقت" میں کیا جاتا تھا۔ لیکن ان کی ذات میں سعادت و علو مرتبت کے ایسے بہت سے حوالے یکجا ہو گئے تھے کہ جسے اللہ تعالیٰ کے فضل خاص اور کرم بے حساب کے علاوہ اور کوئی نام نہیں دیا جا سکتا۔

حکیم صاحب کا آبائی وطن پھلور (ضلع جالندھر) تھا۔ جہاں سے ان کے والد ماجد حکیم عطاء اللہ خان ترک

سکونت کر کے ملتان آ بسے۔ حکیم عطاء اللہ خانؒ، مسیح الملک حکیم اجمل خانؒ کے مایہ ناز شاگردوں میں سے تھے۔ طبیہ کالج دہلی سے فراغت کے بعد، استاد ہی کی ہدایت پر ۱۹۱۸ء میں ملتان چلے آئے اور یہاں طبابت کا آغاز بھی فرمایا اور طبیہ کالج ملتان میں تدریس کا آغاز بھی کیا۔ حکیم حنیف اللہؒ کا سن ولادت ۱۹۲۲ء ہے۔ حکیم صاحب، ایمرسن کالج ملتان میں ایف ایس سی کے طالب علم تھے کہ یکایک طبعیت کا میلان طبابت کی طرف ہو گیا۔ وہ والد کے ایماء و اجازت سے سید ھے طبیہ کالج دہلی جا پہنچے۔ یہ ۴۲-۱۹۴۱ء کی بات ہے۔ ۱۹۴۶ء میں انہیں سند فراغت ملی۔ یوں دیکھا جائے تو حکیم صاحب کی طبابت کا عرصہ ۵۰ سال سے متجاوز ہے۔ نصف صدی کے اس قصے میں ان کی مسیحائی کے کتنے ہی واقعات ہیں کہ جنہیں محفوظ کرنے کے لیے دفتر در کار ہیں اور جن کی روداد میں قدم قدم پر ناقابل یقین باتوں کو ''یقینیات'' میں شامل کرنا پڑتا ہے۔

حکیم صاحب علیہ الرحمۃ کی شخصیت کا نسبتاً غیر معروف مگر بہت تابناک پہلو یہ ہے ۵۵-۱۹۵۴ء کے آس پاس ان پر حفظ قرآن کے شوق کا غلبہ ہوا۔ اس میں حضرت امیر شریعت (رحمۃ اللہ علیہ) کی تشویق کو بھی دخل تھا۔ تب حکیم صاحب نے اپنی تمام پیشہ ورانہ اور عیال دارانہ مصروفیت کے باوجود سال ڈیڑھ سال میں قرآن مجید حفظ کر لیا اور اس کے لیے وہ باقاعدہ مدرسہ قاسم العلوم میں جایا کرتے تھے۔ اسی پر بس نہیں، حکیم صاحب نے حفظ کے بعد سبقاً سبقاً درس نظامی بھی باقاعدہ پڑھا۔ محلہ قدیر آباد ملتان میں واقع مدرسہ نعمانیہ میں حضرت علامہ انور شاہ کاشمیری رحمۃ اللہ علیہ کے تلمیذ رشید مولانا عبدالرؤف ہزاروی علیہ الرحمۃ، حکیم صاحب کے استاد تھے۔ پھر اس کے بعد عمر بھر کے لیے حکیم صاحب نے اپنے یومیہ معمولات میں نوافل، تلاوت، ذکر اذکار، قیام اللیل اور سحر خیزی کو شامل فرما لیا۔ ملک بھر کے علماء وصلحاء سے ان کے ہمیشہ خصوصی مراسم رہے۔ بیعت کا تعلق حضرت مولانا عبدالہادی دین پوری (رحمۃ اللہ علیہ) سے تھا۔ ایک طویل عرصہ سے، وہ ہر سال حج بیت اللہ سے مشرف ہو رہے تھے۔

حکیم حنیف اللہ صاحبؒ، ان کے والد حکیم عطاء اللہ خان صاحبؒ اور ان کے سارے گھرانے کا حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ اور ان کے گھرانے سے جیسا گہرا، جیسا خصوصی، جیسا قریبی اور جیسا دیرینہ تعلق چلا آرہا ہے اس کے پیش نظر خانوادۂ امیر شریعت، حکیم صاحب کے سانحۂ ارتحال پر بجائے خود تعزیت کا مستحق ہے۔ حکیم صاحب کو امیر شریعت کا ''پانچواں فرزند'' کہا جاتا تھا۔

اللہ تعالیٰ حکیم صاحب علیہ الرحمۃ کے ساتھ مغفرت ورحمت کا خصوصی معاملہ فرمائے اور ان کے فرزندان گرامی حکیم حافظ محمد طارق، حکیم محمد خلیل، محمد ساجد اور محمد خالد صاحبان کو اپنے عظیم والد کے علم و عمل کا صحیح وارث بنائے۔ (آمین)

سید حباب ترمذی

نعت

ساحلِ مقصود پر دل کا سفینہ آگیا
اے خوشا صلِ علیٰ شہر مدینہ آ گیا

ہوتے ہوتے آپ کے در تک رسائی ہو گئی
آتے آتے سر جھکانے کا قرینہ آ گیا

جب مدینے میں قدم رکھا تو یوں مجھ کو لگا
جیسے کچھ دن کے لئے مجھ میں مدینہ آ گیا

روضۂ اطہر کا پر تو جب مرے دل پر پڑا
شکل میں اشکوں کی آنکھوں کو پسینہ آ گیا

اب کہاں جاؤں درِ اقدس سے اٹھ کر اے حباب
تا بہ ساحل جب محبت کا سفینہ آ گیا

حاجی ملک ماہر کرنالی

نعت سرور کونین صلی اللہ علیہ وسلم

ہو عزیز کس کو وہ زندگی، تیری یاد میں جو بسر نہ ہو
کوئی ایسے قلب کا کیا کرے، جہاں تیرے غم کا گزر نہ ہو

کہوں کس سے سرورِ دو جہاں! میں غمِ فراق کی داستاں
کہوں کیا کہ میرے نصیب میں ہے وہ شب کہ جس کی سحر نہ ہو

میرے دل میں عشق رسول ہے، اسی رہ میں موت قبول ہے
جو میرے ساتھ نہ چل سکے، وہ مرا شریکِ سفر نہ ہو

مرا شغل مدح سرائی ہے، یہی ایک میری کمائی ہے
مری بات کیوں نہ بھلی لگے، مری نعت میں کیوں اثر نہ ہو

نہیں شاعری وہ جو مدحتِ شہِ انبیا سے ہو اجنبی
اسے کون شاخِ چمن کہے، کہ جو واقفِ گلِ تر نہ ہو

ہوں ثنا میں مجھ کو مہارتیں، مجھے خواب میں ہوں بشارتیں
کریں مجھ پہ لطف حضور، تو مجھے کوئی خوف و خطر نہ ہو

مری آنکھ اشکوں سے بھر گئی، کہوں کیا جو دل پہ گزر گئی
مجھے آئے کیسے یقیں بھلا، مرے چارہ گر کو خبر نہ ہو

ہے یہی دعا یہی مدعا، جو قبول ہو تو ہے بات کیا
کہ نہ دل دکھے مری بات سے مرے بات سے بھی ضرر نہ ہو

مجھے فہم شعر و سخن نہیں، مجھے سیکھنے کی لگن نہیں
اسے کون ماہرِ فن کہے، جسے یاد کوئی ہُنر نہ ہو

سید کاشف گیلانی

نعت

کہیں جرم بن نہ جائے مرا ذوق بے گناہی
تو نظر کرم کی رکھنا مرے حال پر الٰہی

نہ سمجھ سکا خدا کو نہ کبھی سمجھ سکے گا
یہ حریص مال و دولت یہ اسیر کم نگاہی

جسے فکرِ آخرت ہو جسے خوفِ عاقبت ہو
اسے کیا فریب دے گا یہ طلسمِ کج کلاہی

نہ سفر کا کوئی ساماں نہ درست جیب و داماں
بایں حال مطمئن ہیں ترے راستے کے راہی

یہ تو دین ہے خدا کی یہ ہے اپنی اپنی قسمت
مجھے سونپ دی فقیری تجھے دیدی بادشاہی

یہ متاع کم ہے کاشف تری آنکھ نم ہے کاشف
تجھے الفتِ نبی میں ملی آہِ صبح گاہی

علیم ناصری

منہاجِ محمد صلی اللہ علیہ وسلم

منہاج محمد کا ہے اللہ کا منہاج
ہے اس کا امیں سرِ سراپردۂ معراج

وہ شوکت و صولت ہے محمد کی ادا میں
شہباز کو بھی مات کریں طوطی و دراج

آباد محمد کے قدم سے رہے دائم
گو لاکھ کرے کفر کسی ملک کو تاراج

اوصاف رسولِ عربی کے میں لکھوں کیا
ہر روپ مہاروپ ہے ہر کاج مہا کاج

اکرام ہی اکرام اُدھر آپ کی اولاد
احسان ہی احسان اِدھر آپ کی ازواج

اس بارگہِ قدس میں سب اہلِ شرف ہیں
وہ کوئی بھکاری ہو کہ ہو کوئی مہاراج

آئینِ رسول عربی وہ ہے کہ تاحشر
انسان رہے گا اسی آئین کا محتاج

قائم ہے مسلماں میں اگر روحِ محمد
پٹ جائیں گی ہر دور کے بوجہل کی افواج

رومی و غزالی ہیں اسی چرخ کے انجم
ایوبی و محمود اسی بحر کی امواج

طیبہ سے جو آتے ہیں تو کچھ مُہر بلب سے
کیا جانیے کس کیف سے معمور ہیں حُجاج

میں بھی ہوں علیم اس کی قلمرو کا سخن سنج
کرتا ہوں اسے نعت کی صورت میں ادا باج

امیر الاحرار سید عطاء المحسن بخاری

ہُوا مینڈ کی کوز کام اللہ اللہ

پاکستان وہ نرالی بستیٔ خداداد ہے جس کے سارے باسی اپنی ذات میں اک "انجمن" بلکہ اپنی ذات میں "مٹی خان" ہیں اور حصار ذات میں اس طرح گم سم ہیں کہ سب اچھا کی صدا، بصرا ان کے کانوں میں رس گھولتی رہتی ہے۔ چاہے ان کا جی متلائے پگ پگ ٹھوکر کھائے مگر ان کی چشم کور میں سراب زیست جگمگائے اور وہ لمحہ بہ لمحہ مہر سکوت توڑے اور گائے "میں جانوں ہوں میں جانوں ہوں، اللہ کے فضل سے مسلمان ہوں۔ اسلامی ماحول میں آنکھ کھولی، اسلامی، تربیت کا اثر میری روح و جاں میں ہے۔ میں نے بی اے کیا اور اپنے شوق سے اداکاری جوائن کی اور اپنے پاکیزہ ذوق سے اسے سنوارا نکھارا من مرضی سے روپ نگر کا نیا راستہ پسند کیا اور چن لیا۔ میں نے اسے سارا جہاں رہنے دیا اور جہاں والوں کو خبر کر دی کہ مہندی اور ولیمہ، ہندوانہ رسم ہے اگرچہ اداکاری اور "ضرب کاری" نصرانیوں، یہودیوں کی تخلیق اور یہ بات تو بالکل الگ تھلگ ہے کہ دو جوان جسم ایک جگہ "جمع" کرنا اور سلیقہ شعاری سے انہیں خرچ کرنا ایک فن اور ایک فنکار کو عروج کیلئے ایسی کٹھن راہوں، کٹھنائیوں، تنگنائیوں اور تنہائیوں گزرنا پڑتا ہے اور "مذھب" میں کٹھ ملائیت، تنگ نظری نہیں ہے بلکہ روشن خیالی اور وسعت عملی بکثرت" پائی جاتی ہے اور سچ بات تو یہ ہے کہ جب سے اخبارات نے اپنا دامن وسیع کیا ہے، حق اجالا ہے، ہمیں بہت فیتھ فل سٹائل سے نوازا گیا ہے۔ ہمارے اجڑے ہوئے چمن میں بہار جاودانی رقص کرتی نظر آتی ہے۔ اخبارات نے ہمیں جرأت اظہار بخشی ہے، اخبارات نے ہمیں گز بھر لمبی زبان عطا کی ہے، ہمارا وژن واسٹ کیا ہے شوبز کے نام بد نام سے ہمیں اور ہمارے مستقبل کو روشن کیا بلکہ روشن روشن دُم دار ستارا بنا دیا ہے۔ پاکستان نے ہمیں ایک پاکیزہ لائف بخشی ہے۔ ایسی زندگی ہے جس کے ہزاروں رخ ہیں۔ تھوڑے سے غور و فکر کے بعد ہر رخ افق پر جگمگاتا ہے، عورت کو خود اعتمادی عطا کرتا ہے اور ایسی لذتیت و آشتی کو جنم دیتا ہے کہ خیالات و افکار کے تاریک گوشے بھی جھوم اٹھتے ہیں اور بڑھ بڑھ کر ایک دوسرے کا منہ چوم لیتے ہیں۔

لپیٹ کر چوم لے بلبل گلوں کو
چمن میں پھر بہار آئے نہ آئے

یہ ساری تقریر سننے کے بعد ایسا محسوس ہوا کہ کسی دیوی کا ہمالائی ویاکھیان ہو۔ یوں لگا جیسے کوئی اکاش وانی بول رہا ہو دل نے کہا اس بھاشن کو شوجی کا فرمان سمجھ کر ہر دلے میں سمولے تو دُرگا دیوی کے درشن ہو

بقیہ ص ۱۷ پر

مرتب: ساغر اقبالی

خطاب: قائد احرار سید عطاء المحسن بخاری

"مہذب" کون ہے؟ "انقلابی" کون ہے؟

قائد احرار، ابن امیر شریعت حضرت سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے ۲۸، اگست ۱۹۹۸ء کو مسجد ختم نبوت دار بنی ھاشم ملتان میں جو خطبۂ جمعہ ارشاد فرمایا اس کا ایک اقتباس قارئین کی نذر ہے۔ اسے جناب ساغر اقبالی نے قلم بند کیا ہے۔ (ادارہ)

یہ آج کل کے جتنے "قلندر" ہیں سب بندر کے بڑے بھائی ہیں۔ اسمبلی میں ہوں یا اسمبلی سے باہر ہوں۔ خواہ حکومت کی "رجیم" ہو...... چاروں صوبوں کے گورنر، چاروں صوں کے وزراء، چاروں صوبوں کے مال کھانے والے مجرمین، فاسقین و فاجرین و کافرین کے دوست، گھرے دوست، کافرانہ تہذیب کے متوالے، ماڈرن سولائزیشن کے گندے کنوؤں میں ڈبکیاں لینے والے! ان کا ذوق یہ ہے کہ باپ مر جائے تو بیٹے کو نبی کی بتائی ہوئی دعا نہیں آتی، اور کہتے ہیں ہمیں ایسی کالونیاں بنانی چاہیئں جہاں اذان کی آواز نہ آئے۔ پاکستان میں ایسی کالونیاں بن چکی ہیں۔ یہ سب کیا ہے؟ آخر یہ اسلام ہے؟ یہ محمد علی جناح کے اس پاکستان کو ہم نے چاٹنا ہے؟ یہ گھاس ہے؟ کھانا ہے اس کو؟ یہ کیا ہے؟ پچپن ہزار لڑکی برباد ہوئی، اس کی عصمت لٹ گئی، ویران ہو گئی، اجڑ گئی، تباہ ہو گئی، برباد کر دی گئی۔ سکھوں نے، ہندوؤں نے، کسی نے کمی نہیں کی۔ کاہے کے لئے؟ اسی کے لئے؟ ڈھائی کروڑ انسان اپنی جائدادوں سے محروم کیے گیے۔ لٹ گیے، اجڑ گیے۔ مال تو کمایا راجہ صاحب محمود آباد نے، مال تو کمایا لیاقت علی نے، مال کمایا غلام محمد لنگڑے نے، محمد علی بوگرے نے، سہروردی نے، مشتاق گورمانی نے، دولتانے نے، کھچیوں نے، لنگاہوں نے، لنگڑیالوں نے، رسیالوں نے، مرالیوں نے، گا گروں نے۔ ہم نے کیا لیا؟ یہی کہ "پاکستان مولوی ازم کے لئے نہیں ہے" ...... اور پاکستان زانیوں کے لئے ہے؟ شرابیوں کے لئے ہے؟ چوروں کے لئے؟ قاتلوں کے لئے؟ فاسقوں، فاجروں اور کافروں کے دوستوں کے لئے؟ یہودیوں کے ایجنٹوں کے لئے؟ عیسائیوں کے سرپرستوں کے لئے ہے، پاکستان؟ کس کے لئے ہے، اگر ہمارے لئے نہیں ہے تو؟ اگر ہم مولوی، اگر ہم دین کا کام کرنے والے، اگر ہم اللہ اور اس کے رسول کا نام لے کر روٹیاں کھانے والے، اخلاص کے ساتھ اپنی قوت کو مجتمع کریں تو پاکستان ہماری ٹھوکر میں ہے۔ کہیں نہیں جا سکتا۔ یہ سرمایہ دار، جاگیردار، یہ ماڈرن سویلائزیشن کا مریض، ابلیس کا بچہ ...... یہ ہمارے سامنے خارش زدہ کتے کی طرح رہے گا، انسان بن کے رہے گا۔ ہم ان کے وجود کو وجود نہیں سمجھتے، گندگی کا ڈھیر سمجھتے ہیں۔ جنگ ہے ان کے ساتھ۔ امریکہ کہاں، ہم کہاں۔ ہماری جنگ تو امریکہ کے کتوں سے ہے۔ ان کو ہم کہتے ہیں، امریکی کتو، ایشیاء سے نکل جاؤ۔ میں اب بھی اس نعرے پر قائم ہوں۔ امریکی کتو ایشیاء سے نکل جاؤ۔ انہوں نے ہماری تہذیب برباد کی،

ہماری تعلیم برباد کی، ہماری سویلائزیشن کا کباڑا کیا اللہ کے نبی نے ہمیں بیٹھنا اٹھنا چلنا پھرنا کھانا پینا سونا جاگنا، حکومت کے اصول، زندگی کے تمام معاملات سکھائے۔ یہ ایک تہذیب ہے، ایک تمدن ہے، ایک سویلائزیشن ہے۔ اس تہذیب کے ہوتے ہوئے ہمیں کسی اور تہذیب کی ضرورت نہیں ہے۔ ہم کسی اور تہذیب کو تہذیب نہیں سمجھتے ہیں بلکہ بد تہذیبی کا مرقع سمجھتے ہیں۔ نبی اپنے زمانے کا انتہائی مہذب انسان ہوتا ہے، اور ہمارے آقا و مولا احمد مجتبیٰ صلی اللہ علیہ وسلم قیامت تک کے لئے نبی ہیں اور قیامت تک کے لئے ان کی عطا کی ہوئی تہذیب ہمارا ورثہ ہے۔ ہماری وراثت یورپ کے کتوں کی "کیریکٹر لیس" زندگی نہیں ہے، ان کی تہذیب نہیں ہے۔ ان کا لباس، ان کی تراش و خراش، ان کی بودوباش یہ ہماری زندگی نہیں ہے۔ بھول جاؤ اسے، چھوڑ دو اسے، شرافت کا تقاضا یہی ہے۔ صبح نو بجے اٹھنا تہذیب نہیں ہے۔ اللہ کے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے نہیں سکھایا، صبح اٹھ کے پہلا کام شیو کرنا، یا سگریٹ سلگا لینا، یہ ہماری تہذیب نہیں ہے۔ ٹٹی خانے میں گئے، اخبار ساتھ لے لیا، چائے کا کپ بھی لے لیا، سگریٹ بھی پی لیا، سیٹیاں بھی بجائیں، تالی بھی بجائی، چٹکی بھی بجائی، یہ ہماری تہذیب نہیں ہے۔ گیارہ بجے دفتر آئے۔ کون ہیں جی۔ صاحب بہادر آ گئے ہیں۔ صاحب بہادر کی شکل تو دیکھو۔ یہ صاحب بہادر ہیں۔ حرام خور! جو آدمی چاہے کافر ہے، چاہے مسلمان ہے، جو اپنی ڈیوٹی کو بروقت انجام نہیں دیتا اس سے بڑا حرام خور کون ہے۔ دفتر لگتا ہے آٹھ بجے، یہ جاتا ہے گیارہ بجے۔ یہ بہت بڑا حرام خور ہے۔ اور کوئی حرام نہ کرے، یہی حرام کاری بہت بڑی ہے۔ وہاں جا کے کہتا ہے یار چائے منگواؤ میں نے ناشتہ نہیں کیا۔ چائے آجاتی ہے، پھر دائیں بائیں دوست آ جاتے ہیں۔ دفتر کا کام نہیں ہے۔ "یار کل کریں گے، اپنی ہی کام ہے"۔ بیٹھے ہوئے ہیں۔ گپ شپ ہو رہی ہے۔ اور ریٹائرنگ روم میں سارا دن گزار کے چلے گئے۔ یہ ہماری تہذیب ہے؟ صحابہ کی بات نہیں کرتا۔ صحابہ کا مقام تو بہت بلند ہے، بہت بلند۔ وہ تو ساتویں آسمان کی بات ہے۔ میں پہلے آسمان کی بات کرتا ہوں۔ عمر بن عبدالعزیز، ایک تابعی ہے۔ صحابی نہیں ہے۔ صحابی زادہ ہے۔ وہ جب ذاتی کام کرتا ہے تو بیت المال کا دیا بجھا دیتا ہے۔ جب حکومت کا کام کرتا ہے تو دیا جلا لیتا ہے۔ جب ذاتی گفتگو، ذاتی مسئلہ درپیش ہوتا ہے۔ کوئی ذاتی کام ہوتا ہے، نجی کام ہوتا ہے، سرکاری دیا گل کر دیتا ہے۔ اور یہاں گاڑی حکومت، کی پٹرول حکومت کا، دفتر حکومت کا، کمرہ حکومت کا، کوٹھی حکومت کی اور کام اپنا۔ مری گئے ہیں سرکاری گاڑی پر۔ نتھیا گلی ہیں، سرکاری گاڑی پر۔ اسلام آباد گئے ہیں، سرکاری گاڑی پر امریکہ گئے ہیں، سرکاری سرکاری خرچ پر۔ جب تک یہ طبقہ اس ملک میں ہے، ہمارا کچھ نہیں بن سکتا۔ یہ طبقۂ خبیث اس دھرتی کی ناپاکیوں کا منبع ہے۔ تمام برائیاں اس طبقے سے جنم لیتی ہیں۔ وہ لوگ اسی طبقے میں ہیں جو بیس بیس لاکھ کا جوا روزانہ کھیلتے ہیں۔ شراب پیتے ہیں۔ رات کے بارہ بجے تک جوا ہوتا ہے۔ بارہ بجے کے بعد زنا کی محفل ہوتی ہے۔ اس میں افسر شریک ہوتے ہیں۔ ای پی ایز، ایم این ایز،

شریک ہوتے ہیں۔ اور آپ کو یاد ہوگا۔ اصل میں ہمارا حافظہ اتنا تیز ہے، ہمیں قرآن یاد نہیں رہتا۔ باقی باتیں کیسے یاد رہیں گی۔ تمہیں یاد ہو کہ نہ یاد ہو، یہیں ملتان میں گلگشت کے علاقے میں پکڑا گیا تھا ایک طبقہ اس میں دو مجسٹریٹ ایک سیشن جج،، اور ایک سول جج تھا۔ ایک ایس پی بھی تھا۔ اخبار میں خبر بھی آئی تھی۔ پھر وہ مقدمہ گول ہو گیا۔ ایسا گول ہو گیا کہ ''گول باغ'' بن گیا۔ یہ ہے وہ طبقہ جو اس ملک میں اسلام نہیں آنے دیتا۔ جو اسلام کا دشمن ہے۔ مولوی کے حوالہ سے گالی اسلام کو دیتا ہے۔ ایسا بزدل، کمینہ، سفلہ ہے کہ وہ براہ راست اسلام کو گالی نہیں دے سکتا تو مجھے گالی دیتا ہے۔ کمی کمیرے کو گالی دینا تو آسان ہے اہے۔ او پاکستانی سرمایہ دار بھیڑئیے، جاگیردار گدھے! کمی کو گالی دینا آسان ہے۔ کسی اپنے جیسے کو گالی دے پھر حشر دیکھ!

یہ طبقہ توبہ کرے گا یا یہ طبقہ نابود کر دیا جائے گا۔ اللہ اس کے اسباب پیدا کرے گا ان سے لڑنے ٹھرنے کا وقت آ گیا تو ہم یا ماریں گے یا مر جائیں گے۔ مرنا تو ہے ہی۔ ایڑیاں رگڑتے ہوئے مر جاؤیں یا ایڑیاں زمین پر جمائے ہوئے۔ ہمارے ملتان میں ایک اور مخلوق بھی آئی ہوئی ہے۔ اللہ انہیں سلامت رکھے ...... روہتک کی قصاب برادری والے، جو حضرت مطلب کی اولاد بنتے ہیں۔ کہتے ہیں کہ اکبر کے زمانے میں گائے کاٹنے والا کوئی نہیں تھا تو اکبر نے بلوا لئے دو سو آیا تھا گائے کاٹنے والا، وہ سارے ''قریشی'' تھے۔ ہم وہی ہیں۔ تو مجھے اچھی طرح یاد ہے کہ کچھ ملتانی بزرگوں اور خوردوں نے، شریفوں اور کمینوں نے جب مل ملا کے بھٹو کا ساتھ دیا۔ تو ایک محلے میں یہ بھی کہا گیا کہ یہاں سے کوئی مخالف گزر کے دکھائے۔ بڑی دھمکی دی۔ کوئی پندرہ سولہ رہتکی تھے۔ انہوں نے اعلان کیا۔ ''آج سام کو جو جس کے ہاتھ میں ہے۔ لے کے نکل آؤ'' شام کو ''یاجوج ماجوج'' باہر آ گئے تو محلے کی سڑک پر بندہ تک نظر نہ آیا۔ ''چوک بازار'' کے علاقہ میں ہماری اس برادری نے لکھ کر لگا دیا تھا کہ تین لاکھ روپیہ دیں گے بھٹو اگر یہاں سے گذر جائے تو۔ پھر بھٹو وہاں گیا تو نہیں۔ جاتا نا، بڑا انقلابی بنا پھرتا تھا۔ جاگیردار بھی انقلابی ہو سکتا ہے؟ آپ لوگ سوچتے کیوں نہیں۔ کیا ہو گیا آپ کو۔ کبھی جاگیردار بھی انقلابی ہو سکتا ہے۔ کیسے؟ صرف نعرے لگانے سے؟ میں پھر مثال دہراؤں گا۔ ساتویں آسمان کی نہیں پہلے آسمان کی۔ عمر بن عبدالعزیز نے اپنے سارے خاندان (بنی امیہ) کے تمام تروثیقے اور وصیتیں کہ جو آباء واجداد نے ان کو پتا نہیں کہاں کہاں زمینیں دیں، مکان دیئے۔ قطعے دیئے۔ جزیرے دیئے، ان کے وہ تمام کے تمام کاغذات قبضے میں کر کے جلاڈالے۔ تین دن تک دھواں اٹھتا رہا ان وثیقوں سے، اور سب سے پہلے اپنی زمین، اپنا مال، اپنی تمام جائیداد بیت المال میں ڈال دی۔ ہاں یہ انقلاب تو ہو سکتا ہے۔ کوئی یہ لائے تو اس کے قدم چوم لیں گے۔ پاکستانی جاگیردار، جنوبی ایشیا کا جاگیردار، انقلابی نہیں ہو سکتا۔ یہ ناممکنات میں سے ہے۔ ایک مثال دو مجھے، ان دو سو برس کی ایک مثال۔ میں زیادہ پڑھا لکھا آدمی تو ہوں نہیں۔ ملائے مسجد ہوں۔ لیکن چیلنج دیتا ہوں کہ پاکستان کے نام نہاد ہسٹورین دو سو برس کی ایک مثال ڈھونڈ کے دکھائیں کہ اللہ کے نام پر کسی جاگیردار نے اپنا سب کچھ قربان کیا ہو، جب بھی اٹھا ہے غریب ہی اٹھا ہے۔

محمد عمر فاروق

''یورو'' کا اجراء اور عالمِ اسلام کی ذمہ داری

یکم جنوری ۱۹۹۹ء سے گیارہ یورپی ممالک نے اپنی مشترکہ کرنسی ''یورو'' کا اجراء کیا ہے۔ یہ فیصلہ ان مشترکہ یورپین معاہدات کا حصہ ہے جو جنگ عظیم دوم کے بعد کیے گئے تھے۔ مشترکہ کرنسی سے یورپ ایک بلاک کی حیثیت اختیار کر گیا ہے۔ اس نئے اتحاد میں فرانس، آسٹریا، جرمنی، بلجیم۔ لکسمبرگ، پرتگال، فن لینڈ، سپین، ہالینڈ، اٹلی اور آئرلینڈ شامل ہیں۔ جبکہ برطانیہ، یونان اور ڈنمارک تاحال اس اتحاد میں شامل نہیں ہوئے۔ یورو کو ۳۰ کروڑ سے زائد عوام استعمال میں لائیں گے جو تمام دنیا میں خرچ کی جانے والی رقم کے پانچ فیصد کے برابر ہے۔ یورپی یونین کے اجلاس میں یورو کی قیمت اور اس کی شرح مبادلہ کا تعین کیا گیا ہے۔ یورو کی قیمت اگرچہ ڈالر کے مقابلہ میں قدرے زیادہ ہے۔ لیکن ڈالر کو اب شدید مقابلے کا سامنا کرنا پڑے گا اور مسابقت کی ایک نئی فضاء پیدا ہو گی۔

یورو کے منظر عام پر آنے سے یہ سوال پیدا ہوتا ہے کہ وہ کون سے عوامل تھے۔ جنہوں نے یورپی ملکوں کو ایک صف میں لاکھڑا کیا ہے۔ تو لامحالہ نظر ان کے باہمی مماثلت رکھنے والے کلچر، مذہب، ثقافت، روایات اور زبان وغیرہ جیسے عناصر پر پڑتی ہے۔ جنہوں نے یورپ کو ایک نئی قوت دی ہے اور وہ ایک مشترکہ تجارتی منڈی بن چکے ہیں۔ اس وقت یورپ کا عالمی تجارت میں حصہ ۲۱ فیصد اور امریکہ کا ۱۹.۶ فیصد ہے۔

اس صورت حال میں جب یورپی بلاک تشکیل پاچکا ہے۔ اسلامی دنیا جس کی آبادی ایک ارب سے زیادہ ہے اور جس کے پاس مشترکہ ثقافت۔ مذہب، معاشرتی اقدار اور وہ سب کچھ موجود ہے جو یورپی ملکوں کے اتحاد کی بنیاد کا سبب بنا۔ اسلامی ممالک ہر قسم کے وسائل کی دولت سے بھی مالامال ہیں۔ لیکن اتحاد و یکجہتی کی روح سے محروم ہیں اور یک لڑی میں پرو دینے والی حقیقی قوت یعنی دین اسلام کے حامل ہونے کے باوجود ان کی صفوں میں انتشار و افتراق ہے۔

یہ حقائق کتنے تلخ ہیں کہ اسلامی دنیا کے ۸۰۰ بلین ڈالرز امریکی اور یورپی بینکوں میں جمع ہیں۔ اگر آئی ایم ایف اور دیگر عالمی مالیاتی اداروں کے عالم اسلام کو دیئے جانے والے مجموعی قرضے کا حساب کیا جائے تو وہ ۶۱۹ بلین ڈالرز بنتا ہے۔ اس طرح اسلامی دنیا کے ۱۸۱ بلین ڈالرز پھر بھی بچ جاتے ہیں۔ ایک رپورٹ کے مطابق فلسطینی رہنما یاسر عرفات کے سات بلین ڈالرز یہودی بینکوں میں ہیں اور پھر مسلمان امراء کی شہ خرچیوں کے لیے یہ ایک مثال ہی کافی ہے کہ دنیا میں بننے والے کل سامان تعیش میں سے ۳۱ فیصد سامان کے گاہک صرف عرب ہیں۔ جبکہ تصویر کا یہ دوسرا رخ کتنا بھیانک ہے کہ مسلمان ملکوں کی معیشت کا

گراف اس حد تک گر چکا ہے کہ ۵۲ اسلامی ملکوں کی مجموعی ملکی پیداوار فرانس سے بھی کم ہے۔

یہ بات اپنے مقام پر بالکل درست ہے کہ اغیار نے ملت اسلامیہ کو متحد ہونے سے روکنے اور انہیں تقسیم در تقسیم کرنے کے لیے اپنے تمام وسائل اور ذرائع استعمال کیے۔ لیکن قدرت نے مسلمانوں کو اسلامی اتحاد کی تشکیل کے لیے بار بار مواقع عطاء کرنے میں بھی حد درجہ فیاضی سے کام لیا۔ اس کا ایک بہترین موقع وسطی ایشائی ریاستوں کی آزادی کے بعد "ایکو" میں شمولیت کے بعد ہاتھ آیا تھا۔ لیکن یہ سنہری موقع بھی ان کی غفلت سے ضائع ہو گیا۔ قسمت بار بار دروازے پر آ کر دستک نہیں دیتی۔ موقع شناسی ہی کامیابی کی کلید ہوتی ہے۔

جب ایٹمی دھماکوں کے بعد فارن کرنسی اکاؤنٹس منجمد کر دیئے گئے تو اسلامی بینکوں اور اداروں سے ڈیڑھ بلین ڈالرز کا قرضہ گیارہ فیصد سود پر حاصل کرنے کے لیے حکومت پاکستان نے بہت ہاتھ پاؤں مارے۔ لیکن بھاری شرح سود کی بنا پر یہ بیل منڈھے نہ چڑھ سکی۔ بعد ازاں بھاری شرح سود پر ہی ۲۰۰ ملین ڈالرز کویت کے المیزان انوسٹمنٹ فنڈ سے لیے گئے۔ اگر مسلمان ممالک آپس میں اکٹھے ہوتے تو پاکستان کو یہ کڑی مصیبت نہ اٹھانا پڑتی اور اپنے ہی مسلمان بھائیوں کو اتنی بڑی رقم سود میں نہ دینا پڑتی۔ آج پاکستان کو جن حالات کا سامنا ہے۔ کل کسی دوسرے ملک کو بھی یہ صورت پیش آسکتی ہے۔

یہود و نصاریٰ نے مسلمانوں کے وسائل پر قابض ہو کر انہیں اپنا دست نگر کر رکھا ہے۔ عرب ممالک کے پاس تیل کی دولت ہی ان کا سب سے بڑا ہتھیار ہے۔ لیکن عالمی غنڈوں نے ان سے بیس سال پرانے نرخوں پر تیل کی فروخت کے معاہدے کر رکھے ہیں۔ سعودی عرب جیسا امیر و کبیر ملک جو کبھی دوسرے مسلمان ملکوں کی مالی اعانت کیا کرتا تھا۔ اب خود پانچ ارب ڈالرز کا قرض لینے پر مجبور ہو گیا ہے۔

عالمی قوتیں عالمِ اسلام کے وسائل پر ہی اپنی معیشتیں استوار کیے ہوئے ہیں۔ اگر ممالک اسلامیہ بیدار ہو کر اپنے وسائل پر سے اغیار کا تسلط ختم کر دیں اور ایک مشترکہ بلاک بن کر یورپئین اتحاد کی طرز پر وسیع المقاصد اتحاد کی طرف قدم بڑھائیں تو وہ عالمی قوتوں کے سامنے ایک مضبوط ترین سپر پاور کی حیثیت سے ان کے راستے میں ایک سیسہ پلائی ہوئی دیوار بن سکتے ہیں۔ اگر سنگا پور جیسا چھوٹا ملک سارا خام مال باہر سے منگوا کر بھی ہر سال ۸۷ ارب ڈالرز کی مصنوعات دوسرے ملکوں کو برآمد کر سکتا ہے تو پانچ درجن اسلامی ممالک اکٹھے ہو کر دنیا میں یقیناً محیر العقول انقلاب برپا کر سکتے ہیں۔ جس کے لئے باہمی خلوص و تعاون اور غیرت ایمانی بنیادی شرائط ہیں۔ جن کی بدولت عالمِ اسلام نیل کے ساحل سے لے کر بخارا اور کاشغر تک ایک ہو سکتا ہے اور دنیا کی رہنمائی و تاجوری اس کا مقدر بن سکتی ہے۔

○

محمد عمر فاروق

الجزائر میں مسلمانوں کے قتل عام کے اصل حقائق

الجزائر کی سرزمین نے ۳، جولائی ۱۹۶۲ء کو پندرہ لاکھ مجاہدین آزادی کے خون سے سیراب ہونے کے بعد فرانس سے آزادی حاصل کی۔ ۱۵، ستمبر ۱۹۶۳ء کو احمد بن بلا الجزائر کے باقاعدہ صدر منتخب ہوئے۔ بن بلا کے انتخاب میں ان کے دوست جمال عبدالناصر نے بھی اہم کردار ادا کیا۔ احمد بن بلا پر ناصر کے گہرے اثرات تھے۔ اسی لیے بن بلا نے تحریک آزادی کے جذبۂ اسلامی کو پیش نظر رکھنے کی بجائے اشتراکی نظریات کو فروغ دیا اور الجزائر میں دینی قوتوں کو اقتدار سے دور رکھ کر کیمونسٹ ملکوں سے تعلقات قائم کیے۔

الجزائر کی جنگ آزادی فرانسیسی استبداد سے خلاصی اور اسلامی حاکمیت کے قیام کے لیے لڑی گئی تھی۔ لیکن سیاست اور اقتدار پر وہ لوگ چھا گئے جو فرانسیسی آرمی اور تعلیمی اداروں کے تربیت یافتہ تھے۔ مزید برآں سید ابوالحسن علی ندوی کے بقول "ان میں کئی ایسے لیڈر بھی تھے۔ جن کے لیے عربی زبان اجنبی زبان کی طرح تھی اور وہ عرصہ تک جیلوں میں یا غیر اسلامی ماحول میں رہنے کی وجہ سے ذہنی طور پر اسلام کی اخلاقی تعلیم سے ناآشنا تھے۔ انہوں نے اس جذبہ سے ملک کی تعمیر میں مدد نہ لی اور ملک کی تعمیر غیر مذہبی بنیادوں پر کرنے کی کوشش کی۔"

بعد ازاں صدر بومدین کے دور حکومت میں بھی اشتراکیت کو پھیلانے میں زور و شور سے کام لیا گیا۔ انتظامیہ اور تعلیمی مراکز میں صرف اشتراکی ذہن والوں کی خدمات حاصل کی گئیں۔ جس کے نتیجے میں دین سے دوری ان اداروں کے تربیت یافتہ افراد کا شعار بنتی گئی۔ دین والحاد کی آویزش الجزائر میں سالوں جاری رہی۔ تاآنکہ کئی سال پہلے جب اسلامک سالویشن فرنٹ نے عام انتخابات میں دوسری جماعتوں پر واضح اکثریت حاصل کر لی تو الجزائری فوج نے اسلام پسندوں کو حکومت بنانے کا موقع دینے کی بجائے اسلامک سالویشن فرنٹ کو ہی خلاف قانون قرار دے کر خود اقتدار پر قبضہ کر لیا۔ جس پر ملک گیر احتجاج ہوا۔ لیکن حیرت یہ ہے کہ مغربی دنیا جو دنیا کے کسی بھی حصہ میں مارشل لا کو ناپسند کرتی اور جمہوریت کی حمایت کرتی ہے اس جمہوری ناانصافی اور ظلم پر خاموش ہے۔

فوج کے اس ظالمانہ اقدام پر الجزائر کے عوام نے سخت مزاحمت کی اور زن و مرد سڑکوں پر نکل آئے۔ عوام کے پر امن احتجاج کو فوج نے تشدد کے ذریعے ختم کرنا چاہا۔ لیکن عوامی سیلاب بڑھتا چلا گیا۔ جس پر فوج نے جو اشتراکی نظریات کی حامی ہے۔ ایک خونی منصوبہ بنایا اور اسلامک سالویشن فرنٹ کے حامیوں اور دیندار عام شہریوں کو چن چن کر قتل کرنا شروع کیا۔ تاکہ اسلام پسندوں کی عظیم اکثریت کو اقلیت میں بدلا جاسکے۔ الجزائر آجکل شدید قتل و غارت گری کی لپیٹ میں ہے۔ فوج منظم طریقے سے چھاپہ مار

کارروائیوں کے ذریعے معصوم شہریوں کو تہ تیغ کرتی ہے اور الزام اسلامی گروہوں پر عائد کر دیا جاتا ہے۔

برطانوی اخبارات کے بعض نمائندوں نے جن میں آبزرور کے جان سوینی۔ انڈی پینڈنٹ کے رابرٹ فسک، ٹائمز کے انتھونی لائیڈ اور چینل فور نیوز کی سائرہ شاہ شامل تھیں۔ الجزائر کا دورہ کر کے خوفناک انکشافات کیے ہیں۔ ان صحافیوں کے مطابق الجزائر کے قتل عام میں فوج ملوث ہے۔ ۱۹۹۷ء میں قتل عام کے تین بڑے خونی واقعات جہاں رونما ہوئے وہ جنوبی الجزائر کا علاقہ تھا۔ جسے فوج نے گھیر رکھا تھا۔ وہاں قاتلوں نے ۲۰۰ بچوں، مردوں اور عورتوں کو ذبح کر دیا اور پولیس جب حرکت میں آئی تو کوئی قاتل گرفتار نہ ہو سکا۔ ان مقتولین کی ہمدردیاں اسلام پسندوں کے ساتھ تھیں۔ فوج کی کارروائی مکمل ہونے کے بعد ہی پولیس موقع پر پہنچتی ہے۔

ان صحافیوں کے مطابق الجزائری فوج اور پولیس کے ان ملازمین نے جو فرار ہو کر برطانیہ پہنچے۔ ان میں سے ایک سابق فوجی یوسف نے قتل عام کی کارروائیوں کے واقعات سناتے ہوئے بتایا کہ وہ اور اس کے فوجی ساتھی قتل عام سے پہلے کس طرح اسلام پسندوں کا روپ دھارتے اور مصنوعی داڑھیاں لگا کر معصوم شہریوں پر حملہ آور ہوتے تھے۔

برطانیہ میں پناہ حاصل کرنے والے دو پولیس ملازمین نے آبزرور کو ایک دردناک کہانی سناتے ہوئے بتایا کہ انہوں نے الجزائر کے ایک علاقے کے گرد اپنے ساتھیوں کے ہمراہ گھیرا ڈالا اور بجلی منقطع کر دی اور پھر سیکورٹی ملیشیا کے جوان علاقے کے اندر داخل ہو گئے اور جب وہ دو گھنٹے تک کارروائی مکمل کرنے کے بعد باہر آئے تو ہم ان کے چلے جانے کے بعد جائے وقوعہ کے کلین اپ کے لیے گئے تو میں نے اپنی آنکھوں سے ہلاک شدہ مردوں عورتوں اور بچوں کو دیکھا۔ یہاں تک کہ ایک معصوم بچے کا گلا کٹا ہوا تھا۔

الجزائر کے ایک قصبے کا واقعہ سناتے ہوئے منحرف الجزائری پولیس والوں نے بتایا کہ اس قصبے میں سیکورٹی ملیشیا والے اسلام پسندوں کا مخصوص لباس پہنے اور بناوٹی داڑھیاں لگائے ہوئے پہنچے اور انہوں نے ہمارے افسر کو بتایا کہ ہم قصبے کا گھیراؤ کر چکے ہیں۔ اب تم انتظار کرو۔ دو گھنٹے بعد وہ واپس آئے تو ہم نے پوچھا کہ کیا واقعہ پیش آیا تو انہوں نے کہا کہ کچھ نہیں اور پھر انہوں نے اپنے خون سے آلودہ ہاتھ پونچھ ڈالے اور جب ہم علاقے میں داخل ہوئے تو ہر گھر میں لوگوں کے گلے کٹے ہوئے تھے اور ان کے سر تن سے جدا نظر آ رہے تھے۔

برطانوی صحافی جان سوینی کا یہ کہنا بالکل درست ہے کہ یورپ الجزائر میں اپنے مفادات کی وجہ سے الجزائر کی حکومت کی مخالفت سے ہچکچاتا ہے۔ کیونکہ الجزائر میں تیل اور گیس کے بھاری ذخائر موجود ہیں۔ الجزائر سے سپلائی ہونے والی گیس سے ہی میڈرڈ اور روم کے چولہے جلتے ہیں۔ علاوہ ازیں الجزائر کے برطانیہ کے ساتھ پٹرولیم کے ۸، بلین پونڈ کے معاہدے ہیں۔ کوئی مغربی حکومت الجزائر کے ساتھ بگاڑ پیدا کرنا نہیں چاہتی۔ کیونکہ ان کے نزدیک معاشی اور تجارتی مفادات مسلمانوں کے خون سے کہیں زیادہ فوقیت رکھتے ہیں۔

اب تک ۹۰ ہزار سے زائد مسلمان مارے جا چکے ہیں لیکن انسانی حقوق کے عالمی ادارے اس درندگی اور بہیمیت پر مجرمانہ خاموشی کا مظاہرہ کر رہے ہیں۔ مظلوموں کا خون بے گناہی ضائع نہیں جاتا۔ بلکہ جب یہ رنگ لاتا ہے تو اپنی رو میں مغرور فرعون کو بہا کر لے جاتا ہے۔ یورپ مسلمانوں کے قتل پر خوش ہے۔ لیکن اسے معلوم نہیں کہ مسلمان کٹ جاتا ہے جھک نہیں سکتا اور نہ کسی کے مٹائے مٹ سکتا ہے۔

بقیہ از ص ۹

نگے اور پھر یکدم یہ مصرع میری زبانِ دلِ ترجماں پر ناچنے لگا

جاگ سوزِ عشق جاگ

عشق کے بغیر کائنات ادھوری بلکہ مادھوری ہے۔ عشق کو حضوری حاصل ہے۔ عشق پہلے مطلوب کے دل مضطر میں پیدا ہوتا ہے۔ عشق زندگی کا حاصل ہے۔ عشق میرا دین، عشق میرا ایمان ہے۔ عشق سے جہان ہے، جان میں جان ہے۔ عشق کمان ہے اور دلِ تیر نظر سے گھائل ہے۔

اور میرے ہاتھ کسی مغربی حور کے گلے میں حمائل ہیں — تو نیز بر سرِ بام آ کہ خوش تماشا ایست

اور فلمی دُم دار ستارے مل کر گاتے ہیں.... — یہ عشق عشق ہے عشق عشق، یہ فسق فسق ہے فسق فسق

بقیہ از ص ۱۹

اس کو خرید لے۔ عالم ہر زمانہ میں، ہر جگہ قبلہ نما رہے

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے باضمیر باعقیدہ، ایسے با ایمان، ایسے باحوصلہ ایسے باہمت فضلاء پیدا کرے کہ جو اس ضمیر فروشی، اصول فروشی اور اخلاق فروشی کے دور میں روشنی کے مینار کی طرح قائم رہیں کہ وہ کہیں نہیں جاتا اپنی جگہ پر کھڑا ہے، راستہ بتاتا ہے، جیسے قبلہ نما کہ آپ کہیں ہوں وہ آپ کو قبلہ بتا دے گا، ہندوستان میں بتائے گا، دوسرے ملک میں بتائے گا، پہاڑ پر رکھیں تو بتائے گا، پل پر رکھیں تو بتائے گا، یہ عالم کا کام ہے کہ ہر زمانہ میں ہر جگہ قبلہ نما رہے۔ (بشکریہ ماہنامہ تعمیر حیات لکھنؤ ۲۵ جنوری ۱۹۹۶ء)

بقیہ از ص ۲۳

میں سے جس سے مناسبت ہو اس کی خدمت میں تھوڑے دنوں کے لئے حاضری یا گذرے لوگوں کے دینی واقعات و حالات کا مطالعہ بھی آپ کے مقصد میں معاون ہو گا۔

ہمارے مدارس ملّت کا قیمتی سرمایہ ہیں۔ ان کے بقاو وجود کی حفاظت کی طرح ان کے روح و مزاج اور پیغام کی حفاظت بھی ہماری ذمہ داری ہے۔ موجودہ حالات میں ایسا معلوم ہوتا ہے کہ ان مدارس کی خدمت، ان کی روح کا احیاء، ان کے علمی، اخلاقی اور دینی معیار کی حفاظت اور اس میں ترقی کی کوشش ایک اہم ضرورت ہے۔ اور اس کی ذمہ داری سب کی ہے۔ (بشکریہ ماہنامہ "الفرقان" لکھنؤ فروری ۱۹۹۹ء)

مولانا سید ابوالحسن علی ندوی

مدرسہ کیا ہے؟

مدرسہ کا شجرہ نسب:

حقیقی مدرسہ کی بنیاد اور پہلے مدرسہ کی بنیاد کہاں رکھی گئی ہے، پہلے مدرسہ کی بنیاد قرطبہ اور غرناطہ میں نہیں رکھی گئی، قیروان اور قاہرہ میں نہیں رکھی گئی، دہلی اور لکھنؤ میں نہیں رکھی گئی، فرنگی محل، ندوۃ العلماء اور دارالعلوم دیوبند میں نہیں رکھی گئی، پہلے مدرسے کا نام "صُفہ" تھا۔ آپ مجھے معاف کریں میں مدرسوں میں صحیح النسب مدرسہ اور عالی نسب مدرسہ اسی کو سمجھتا ہوں جس کا شجرہ نسب صُفہ نبوی پر جا کر ختم ہو اور میں اسی مسجد کو صحیح النسب مسجد سمجھتا ہوں جس کا شجرہ نسب کعبۂ ابراہیمی پر جا کر ختم ہو اور مسجد نبوی پر ختم ہو، میں اس کے مقابلہ میں دوسرے الفاظ بولنا نہیں چاہتا کہ وہ مسجد کیا کہلائے گی؟ لیکن قرآن مجید نے بتا دیا ہے۔ ہمیں اور آپ کو کوئی نیا لقب ایجاد کرنے کی ضرورت نہیں، وہ مسجد "ضرار" کہلائے گی، جس کا شجرہ نسب ابراہیم و محمد علیہما السلام کی بنائی ہوئی مسجدوں پر ختم نہیں ہوتا۔

اور وہ مدرسہ مدرسہ نہیں بلکہ انسانیت کی قتل گاہ کہلائے گا، جس کا شجرہ نسب "صُفہ نبوی" پر ختم نہیں ہوتا، مسجد نبوی پر ختم نہیں ہوتا، اور ابوذر و سلمان پر ختم نہیں ہوتا، صدیق و علی پر ختم نہیں ہوتا زید اور سیدہ عائشہ رضی اللہ عنھم پر ختم نہیں ہوتا۔

ان مبلغان دین، ان ہادیان انسانیت، ان پیشوایان عالم پر ختم نہیں ہوتا، جنہوں نے ہدایت کا پیغام دیا، جنہوں نے قربانی کا پیغام دیا، جنہوں نے خود نقصان اٹھا کر دوسروں کو نفع پہنچانے کا پیغام دیا کہ اپنا زیاں مقصود ہے اور اپنا زیاں گوارہ ہے لیکن دوسروں کا زیاں گوارہ نہیں، جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ اپنے گھر میں اندھیرا رکھ کر دوسروں کے گھروں میں روشنی کا انتظام کرو، اپنے پیٹ پر پتھر باندھ کر (اس لئے کہ ان کا سلسلہ انہیں پر ختم ہوتا ہے، جنہوں نے غزوہ خندق میں پیٹ پر دو دو پتھر باندھے تھے) دوسروں کے بچوں کا پیٹ بھرنے اور ان کو کھلانے کا انتظام کرو، جنہوں نے یہ پیغام دیا کہ مدرسہ کا کام ملازمت دلانا نہیں ہے، مدرسہ کا کام اسامیاں بانٹنا نہیں ہے، مدرسہ کا کام ایسا پڑھا لکھا انسان بنانا جو اپنی چرب زبانی سے لوگوں کو مسحور کرلے نہیں ہے، مدرسہ کا کام قرآن سنانا ہے، جب کہ دنیا میں ہر حقیقت کا انکار کیا جا رہا ہو کہ سوائے طاقت کے کوئی حقیقت ہے ہی نہیں، جب دنیا میں بلا محابہ ڈنکے کی چوٹ پر کہا جا رہا ہو کہ دنیا میں صرف ایک حقیقت زندہ ہے، اور سب حقیقتیں مرچکیں، اخلاقیات مرچکے، صداقت مرچکی، عزت مرچکی، غیرت مرچکی، شرافت مرچکی، خوداری مرچکی، انسانیت مرچکی، صرف ایک حقیقت باقی ہے، اور وہ نفع اٹھانا اور اپنا کام نکالنا ہے۔ وہ ہر قیمت پر عزت بیچ کر، شراف بیچ کر، ضمیر بیچ کر، اصول بیچ کر، خوداری بیچ

کر صرف چڑھتے سورج کا بجاری بننا ہے، اس وقت مدرسہ اٹھتا ہے اور اعلان کرتا ہے کہ انسانیت مری نہیں ہے اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ نقصان میں نفع ہے، ہار جانے میں جیت ہے، بھوک میں وہ لذت ہے جو کھانے میں نہیں، اس وقت مدرسہ یہ اعلان کرتا ہے کہ ذلت بعض مرتبہ وہ عزت ہے، جو بڑی سے بڑی عزت میں نہیں، اس وقت مدرسہ اعلان کرتا ہے کہ سب سے بڑی طاقت خدا کی طاقت ہے، سب سے بڑی صداقت حق کی صداقت ہے، یہ ہے مدرسہ کا کام اور اگر مدرسہ یہ کام چھوڑ دے اور دنیا کے سارے کام کرنے لگے تو وہ مدرسہ، مدرسہ کہلانے کا مستحق نہیں۔

مدرسہ کا کام یہ ہے کہ وہ ایسے انسان پیدا کرے جو اس پست سطح سے بلند ہوں کہ قیمت لگائیے ہم سب کچھ بیچنے کو تیار ہیں، آج دنیا نیلام کی منڈی کے سوا کچھ نہیں، کہاں کا مدرسہ اور کہاں کا کتب خانہ، کہاں کے اصول اور کہاں کے معیار، ہم تو یہ دیکھ رہے ہیں کہ دنیا ایک بازار ہے، اس میں ہر ایک اپنا جنس ہنر، اور اپنی جنس کمال ہاتھ پر رکھے ہوئے بیچنے کے لئے آیا ہے۔

لیکن ہم اس نقطہ نظر کو تسلیم نہیں کرتے، ہم یہ تسلیم نہیں کرتے کہ دنیا محض ایک بازار ہے، ایک منڈی ہے، یہاں جو آئے مال لے کر جائے اور بیچے، صرف مسئلہ قیمت کا ہے، البتہ یہ ہو سکتا ہے کہ کسی کو بیچنے میں کچھ دیر لگ جائے، اس لئے نہیں کہ اس کو اپنا جنس کمال اور اپنا جنس مذہب اور اپنا جنس اخلاق زیادہ عزیز ہے، بلکہ اس لئے کہ اس کے منہ مانگے دام نہیں مل رہے ہیں۔

جب انسانیت پر زوال آیا، جب اخلاقیات پر زوال آیا اور جب لوگوں کو یہ نظر آنے لگا کہ یہ جو حق و باطل کی بات کہی جاتی تھی، یہ محض زیب وداستاں کے لئے کہی گئی ہے، اور اس کا کہیں وجود نہیں ہے، حق و باطل کوئی چیز نہیں ہے، حلال و حرام کوئی چیز نہیں ہے، کفر و ایمان کوئی چیز نہیں، غلط صحیح، صواب و ناصواب کوئی چیز نہیں ہے، اصل چیز تو پیسہ ہے، اصل چیز تو طاقت ہے، اصل چیز عہدہ ہے، اصل چیز مواقع ہیں، اس وقت مدرسہ نے ایسے لوگ پیدا کئے؟ کوئی ایسا آدمی لاکھڑا کر دیا، ایسا بلند قامت انسان، ایسا کوہ پیکر انسان جس نے کہا کچھ نہیں! ہم نہیں جانتے! اور اگر کسی کو اعتبار نہیں آتا تو ہمیں خرید کر دیکھ لے، اگر وہ ہمیں خرید سکتا ہے تو ہم مان لیں گے کہ دنیا میں اخلاقیات کوئی چیز نہیں، اور ان سب پر مکمل زوال آچکا ہے، مدرسہ نے ہمیشہ ایسے لوگ پیدا کئے ہیں۔

میرے نزدیک مدرسہ کا صرف ایک کام ہے کہ وہ ایسے حقانی اور ربانی علماء پیدا کرے جو صرف یہی نہیں، یہ تو ان کی شان سے بہت بعید ہے کہ وہ اپنے ضمیر کا سودا کریں، نہیں بلکہ وہ دنیا کو جو ضمیر کا سودا کر رہی ہے، اس کو سرزنش کر سکیں، اس سے کہہ سکیں کہ انسان کا ضمیر اس سے بہت زیادہ قیمتی ہے کہ وہ روز بکے، روز نیلام پر چڑھے، ایک عہدے پر بک جائے، ایک عہدہ ایک کرسی، ایک خوشنودی، ایک تبسم

بقیہ ص ۷۱ پر

مولانا محمد زکریا سنبھلی
استاذ حدیث دارالعلوم ندوۃ العلماء لکھنؤ

دینی مدارس اور ان کی ذمہ داریاں

شوال کے مہینہ سے ہمارے دینی مدارس کے نئے سال کا آغاز ہوتا ہے۔ گویا ہر برس یہ مدارس ایک نئے سفر کا آغاز کرتے ہیں۔ اس موقع پر چند باتیں عرض کرنا مناسب معلوم ہوتا ہے۔ تحریک مدارس سے برصغیر میں جیسا عظیم کام اللہ نے اپنے دین کی حفاظت اور ملت کی رہنمائی کا لیا ہے، اور اس وقت بھی مدارس کی شکل میں ہمارے پاس جو پورا ایک مکمل نیٹ ورک موجود ہے اس کے پیش نظر ان کی مختلف خطرات سے حفاظت ایک عظیم ذمہ داری اور فریضہ ہے۔ مگر مدارس کے حوالہ سے ایک اور پہلو بھی پوری توجہ اور فکر کا متقاضی ہے۔ وہ ہے مدارس کی اس بنیادی روح کی بڑھتی ہوئی کمزوری جو اس نظام کی اصل طاقت اور سرمایہ تھی۔ مدارس کا پورا ماحول اور یہاں کی زندگی کا جو نقشہ تھا، وہ بڑی تیزی کے ساتھ بدلتا جارہا ہے۔ ایمان، خوف خدا، محاسبۂ نفس اور فکر آخرت جیسی صفات جو پورے ڈھانچے کی حفاظت کرتی تھیں اور اللہ کی مدد و تائید کا سبب بنتی تھیں زوال پذیر ہیں۔ اخلاقی قدریں پامال ہورہیں۔ طلبہ میں مقصدیت کا فقدان ہے۔ کم ہمتی اور پژمردگی چھاتی جارہی ہے۔ ہم ان کو اس طویل مدت صحبت میں زندگی میں ان کے مقام سے ہی آشنا نہیں کرا پاتے، ایک ہمہ جہتی انحطاط کی سی صورت ہے۔

ہمارے یہ دینی مدارس جن کا برصغیر میں جال بچھا ہوا ہے یہ صرف اللہ سبحانہ و تعالیٰ کا ایک خاص فضل اور اس کے غیبی و تکوینی نظام کی ایک ظاہری صورت ہیں۔ یہ مدارس اپنی مثال آپ ہیں دنیا میں اس سے پہلے کہیں اس طرح کا مخصوص نظام قائم نہیں ہوسکا تھا۔ ۱۸۵۷ء اور اس کے بعد کے واقعات و حالات نے برصغیر کے مسلمانوں کو توڑ کر رکھ دیا تھا اور لگنے لگا تھا کہ شاید اب اس سرزمین سے قافلۂ اسلام بس کوچ ہی کرنے والا ہے۔ حکومت جاچکی تھی، دین اور دینی قدریں بھی رخت سفر باندھتی ہوئی نظر آتی تھیں کہ اللہ نے اپنے کچھ باتوفیق بندوں کو جن کی تخلیق ہی اس خالق نے اس کام کے لئے کی تھی اسلام کی بقاء کے لئے ان مدارس کے قیام کی توفیق عنایت فرمائی۔ ان بندگان خدا نے بالکل بے سروسامانی کے حالات میں ان مدارس کے قیام کا ارادہ کرلیا۔ ابتداءً یہ پودے بہت چھوٹے تھے پھر جلدی بہت بلند قامت شجر سایہ دار بن گئے اور کچھ ہی عرصہ میں ان درختوں سے ایسے میٹھے پھل بننے لگے جن کی مٹھاس سے برسہا برس سے مسلمانوں کا ذائقہ ناآشنا ہوچکا تھا، ان اللہ کے بندوں نے اپنی چھوٹی چھوٹی کشتیاں دریاؤں کے تیز دھاروں کے مقابل سمت ڈالیں تھیں پھر بھی کشتیاں نہ صرف اپنی منزلِ مقصود تک پہنچیں بلکہ انھوں نے دھاروں کا رخ موڑ دیا۔ اور آج ساری دنیا میں جو مدارس کا نظام قائم ہے انکا بیشتر حصہ انہیں ہندوستانی مدارس کا حسین نقش

ہے۔ اسی طرح دنیائے اسلام میں جو کچھ دین باقی ہے اس کی بقاء میں بھی ان مدارس کا بڑا حصہ ہے۔
ہمارے بزرگوں نے انتہائی نامساعد حالات میں دین کی شمع روشن کی اور آندھیوں سے اس کی حفاظت فرمائی ہے۔ اب جبکہ شمعیں آفتاب و ماھتاب بن کر ہمارے پاس بطور امانت آئی ہوئی ہیں کہیں ہماری کوتاہیوں اور بے توجہی سے انہیں گھن نہ لگ جائے۔
دین کی شمع کی حفاظت میں ان حضرات کو جو قربانیاں دینی پڑی ہیں آج کی دنیا میں جب کہ مادیت کی چمک دمک نے سب کی آنکھیں خیرہ کردی ہیں ان کا تصور بھی مشکل ہے۔
انہی مدارس سے، ایسے صاحب کردار فرشتہ صفت بزرگ پیدا ہوئے جنھوں نے صحابہ و تابعین کے عہد کی یاد تازہ کردی انکی بزرگی، دینداری، اور کردار کی پختگی کو دیکھ کر مدرسہ کے وہ ملازم بھی جو خادم پیشہ ہوتے تھے اور جن کا علم سے بھی کوئی خاص تعلق نہ ہوتا تھا، پرہیزگار اللہ سے ڈرنے والے اور تہجد گزار نوافل کے پابند بلکہ جیسا کہ اپنے اساتذہ سے سنا صاحب نسبت ہو جایا کرتے تھے۔
انکے اخلاص وللّٰہیت کے ایسے ایسے واقعات اپنے بزرگوں اور اساتذہ سے سنے ہیں کہ اب تو نئی نسل کو ان پر یقین کرنا بھی مشکل ہے۔ وہ محض دین کے خادم ہوتے تھے نہ ان کے القاب و آداب ہوتے تھے اور نہ وہ خود ان کو پسند کرتے تھے۔ وہ دین کا کام صرف اللہ کی خاطر اور دین کا خادم بن کر ہی کرتے تھے مدرسہ سے آکر مجبوراً تنخواہ بھی لیتے تو بس صرف تنخواہ ہی کی حد تک مدرسہ کی مالیات سے استفادہ کرتے تھے۔ ماضی قریب میں ہی ایسے ذمہ داران مدرسہ اور اساتذہ کرام گذرے ہیں جو مدرسہ کے سامان کو اپنے ذاتی کاموں میں استعمال کرنے کے بارے میں اتنی احتیاط کرتے تھے کہ ہم جیسے لوگوں کی ذہن کی وہاں تک رسائی بھی مشکل ہے۔ وہ مدرسہ کے قلم ودوات سے اپنے گھر کو ایک پرچہ بھی نہیں لکھتے تھے۔ مدرسہ کی دری یا چارپائی کو صرف مدرسہ کے وقت تک ہی استعمال کرتے تھے بعد میں اپنی چارپائی اور دری استعمال کرتے تھے مدرسہ کے سامان سے ایسا انتفاع بھی جس میں اس سامان کا کوئی نقصان بھی نہ ہو ہرگز نہ کرتے تھے۔ شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد زکریا صاحب (رحمہ اللہ) نے اپنی ''آپ بیتی'' میں ایسے واقعات بکثرت ذکر کئے ہیں۔ مگر اب حالات میں بڑے پیمانے پر تبدیلی رونما ہو رہی ہے۔ دیانت و امانت، اخلاص وللّٰہیت، خوف خدا، پرہیزگاری، دین کا درد اور اس کی خدمت کی تڑپ میں تیزی سے کمی آرہی ہے۔
اب تو کچھ لوگ مدرسہ کے سامان کو ذاتی کاموں میں استعمال کرتے کرتے اس حال میں پہنچ گئے ہیں کہ اس فعل کی قباحت بھی ان کے ذہن و دماغ سے نکل گئی ہے بلکہ بعض کو تو اس کے جواز کی دلیلیں دیتے سنا، حالانکہ ہم سب جانتے ہیں اور ہم لوگ نہ جانیں گے تو کون جانے گا کہ یہ استعمال یقیناً ''غلول'' ہے اور غلول کے سلسلہ میں کیسی سخت وعیدیں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمائی ہیں۔
بلاشبہ مدرسے کے مال اور سامان میں ذاتی تصرف (خواہ اس کی کچھ توجیہات باردہ ہی کیوں نہ کرلی

جائیں) اسی ضابطے میں آتا ہے اور اس سے بھی زیادہ سنگین مسئلہ طلبہ کے حقوق کی ادائیگی میں کوتاہی اور مدرسہ کے وقت میں اپنے کام کرنا یا اسے صحیح مصرف میں خرچ نہ کرنے کا ہے۔ یہ طلبہ اپنے گھر بار، ماں باپ اور دیگر اہل خانہ کو چھوڑ کر طلبِ علم کے لئے ہمارے مدارس میں آئے ہیں۔ ان کا حق ہے کہ ہم حتی الوسع اور ہر ممکن طریقہ سے ان کو ان کے مقصود تک پہنچانے کی کوشش کریں۔ ان کو مطالعہ، مذاکرہ (تکرار) اور درجہ میں پابندی سے آنے اور توجہ سے اسباق سننے اور یاد کرنے کی ترغیب دیتے رہیں۔ مجموعی طور پر ہمارا عمل ایسا ہو کہ طلبہ میں پڑھنے کا شوق پیدا ہو جائے۔ وہ پڑھنے کو بار نہ سمجھیں۔ نیز دین کی خدمت کا مزاج بھی زمانہ طالبعلمی ہی میں بنتا ہے۔

لیکن ہمیں اس میں کامیابی جب ہی ہوگی جب کہ ہمارا عمل بھی خود ایسا ہی ہوگا۔ حضرت مولانا محمد منظور نعمانی رحمہ اللہ سے بار بار ایک جملہ سنا۔ ''آدمی آدمی سے بنتا ہے کتابوں سے نہیں''۔ ماضی قریب میں ایسے اساتذہ انہیں مدارس میں گذرے ہیں جو طلبہ کے لئے نمونہ اور آئیڈیل ہوا کرتے تھے۔ طلبہ خود کو ان کے مطابق بنانا چاہتے تھے۔ اب ہم لوگ اپنے تلامذہ کے لئے نمونہ ہیں جیسے ہم ہیں ہمارے تلامذہ بھی ویسے ہی بنیں گے۔ اگر ہم درجہ میں بھر پور تیاری کے بغیر جائیں گے تو طلبہ سے یہ امید کرنا کہ وہ مطالعہ دیکھ کر آئیں گے فضول ہے۔ لمبی تقریریں مدرس کو مطمئن کرتی ہیں۔ طلبہ کے لئے مفید کم ہوتی ہیں۔ درس کی تقریر کو پُر مغز اور ایسا ہونا چاہئے کہ طلبہ میں جستجو و تحقیق کا جذبہ پیدا ہو۔ مدرس کا مقصد صرف کتاب حل کرنا نہیں بلکہ فن میں مجتہدانہ بصیرت پیدا کرنا ہونا چاہیے۔

ہمارے مدارس میں بہت سی خارجی چیزیں در آئی ہیں۔ اساتذہ اور طلباء کی دن رات کی گفتگوؤں کا موضوع ملکی اور عالمی سیاست بلکہ اب تو اس سے بھی آگے کھیل اور اس سے متعلق خبریں اور تبصرے بھی ہوگئے ہیں۔ ریڈیو اور اخبارات نے ساری دنیا کو ایک گھر بنا دیا ہے اور ہر وقت پل پل کی اچھی بری خبریں ہر ہر جگہ پہونچتی رہتی ہیں۔ ریڈیو اور اخبار زندگی کی ضرورت میں شمار ہوتے ہیں لیکن مدرسہ کی حد تک تو یہ دونوں ''اثمھما اکبر من نفعھما'' ہی کا مصداق ہیں۔

ہم لوگوں کے لئے ایک قابل فکر اور لائق توجہ بات یہ بھی ہے کہ حدیث وفقہ کی کتابوں میں زیادہ توجہ صرف اختلافی مسائل پر صرف ہوتی ہے۔ آخرت، جنت، دوزخ، زہد ورقاق، اخلاق ومعاشرت، اعمال کے فضائل اور ترغیب و ترہیب کی احادیث کا بس دورہ سا ہو جاتا ہے۔ جس کے نتائج سامنے ہیں۔

اختلافی مسائل میں بھی ایسا لگتا ہے کہ حنفی استاد کا مقصد محض حنفیت کو ترجیح دینا ہے اور شافعی و سلفی اساتذہ کا مقصد صرف اپنے اپنے مسلک کو ترجیح ہے۔

وہ احادیث جو فریق ثانی کا مستدل ہیں ان کے ضعف کی اگر کوئی معمولی وجہ بھی مل جائے تو اسے ذکر کر دیا جاتا ہے اور اپنے مسلک کی مستدل حدیث کے اسباب ضعف سے بالکل صرف نظر کر لیا جاتا ہے۔ یہ

علمی خیانت تو ہے ہی جس کے نتیجے میں طلبہ کا ذہن بالکل مقید رہتا ہے۔ اس کے علاوہ یہ بھی تو غور کرلیں کہ یہ احادیث امام ابو حنیفہ یا امام شافعی کے ارشادات و اعمال نہیں ہیں۔ بلکہ ان کا تعلق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ہے۔

مسلکی عصبیت کا مرض اب اداروں کی عصبیت اور نصاب درس کے انتخاب اور اپنے بزرگوں کے بارے میں عصبیت تک ممتد ہوتا چلا جا رہا ہے۔ بڑے بڑے ذمہ دار حضرات کو دوسرے اداروں کے بارے میں بالکل بلا تحقیق غلط باتیں کرتے ہوئے سنا اگر کسی مدرسہ کا نصاب بھی ہمارے مدرسے کے نصاب سے مختلف ہے تو صرف اتنی بات ہی اس مدرسے کے مطعون ہونے کے لئے کافی ہے۔ ایک بزرگ کا طریق اگر دوسرے سے مختلف ہے تو یہ بھی کم از کم سبب بعد تو ہو ہی جاتا ہے۔

مدرسے کے طلبہ بالکلیہ تو باہر کی مسموم فضاؤں اور گندے ماحول سے محفوظ نہیں رہ سکتے لیکن جتنا بھی وہ اپنے کو محفوظ کر سکتے ہوں ضرور کرلیں۔ طالب علمی کا یہ دور زندگی کا سب سے قیمتی دور ہے۔ اس کے ضیاع کی تلافی زندگی بھر نہیں ہو سکتی۔ یہ وہ کوتاہی ہے جس کی سزا دنیا و آخرت میں بھگتنی پڑے گی۔ اس لئے عزیز طلبہ سے یہ عرض کرنا ہے کہ اپنے قیمتی وقت کی قدر کرلیں۔ اپنے اساتذہ کی نصیحتوں اور ان کے مشوروں پر عمل کریں۔ بے شک اب تم لوگوں کو نہ جنید و شبلی ملیں گے نہ حافظ ابن حجر اور علامہ عینی، ہم ہی جیسے استاذوں سے فائدہ اٹھانا ہے۔ جتنا بھی اٹھالو، دور واقعی انحطاط کا ہے۔ لیکن اشیاء اور اعمال کی تاثیر اب بھی وہی ہے جو پہلے تھی۔ محنت، لگن، اخلاص، مطالعہ، مذاکرہ کے اب بھی وہی ثمرات ان شاء اللہ ملیں گے جو ماضی میں ملتے رہے ہیں۔ طالب علمی کے زمانے میں جو جیسا بن جاتا ہے زندگی بھر ویسا ہی رہتا ہے۔ جو کوتاہیاں اس وقت رہ جاتی ہیں وہ باقی ہی رہتی ہیں بلکہ خطرہ مزید ان میں پختگی کا ہوتا ہے۔ آپ لوگوں کو مدرسہ کی زندگی کی قدر کے ساتھ اپنے اوقات کو علمی مشاغل میں صرف کرنا ہے۔ زیادہ وقت اپنی درسی کتابوں میں، کچھ وقت اصلاحی اور معیاری قسم کی علمی و تحقیقی غیر درسی کتابوں کے مطالعہ میں بھی صرف کیجئے۔ لیکن ان کتابوں کا انتخاب اپنے کسی استاد سے کرائیے۔ اس زمانے میں بازاری قسم کا لٹریچر یا علمی خبریں اور کھیل بلکہ لہو و لعب سے متعلق چیزیں آپ کے لئے بہت مضر ہیں۔ کہاں طالب علم کا بلند مقام اور کہاں یہ پست چیزیں۔ فراغت کے بعد اگر اللہ کو آپ سے پاک و صاف سیاست کا کچھ کام لینا ہوگا تو اس وقت کی سیاست کا ضروری علم تو چند مہینوں میں حاصل ہو جائے گا۔ آپ غور کریں کہ اس وقت جن علماء نے اسلام اور مسلمانوں کی نمایاں خدمات انجام دی ہیں وہ اپنی طالب علمی کے زمانے میں بہترین طالب علم رہے ہیں۔ وہ اس وقت صرف اور صرف طالب علم تھے اور کچھ نہیں۔ اللہ تعالیٰ آپ سے دین کا کام لے گا اور ان شاء اللہ آپ بھی بلند مقام پائیں گے لیکن اس کیلئے ضروری ہے کہ اس وقت اچھے طالب علم بنیں۔ موجودہ بزرگوں

بقیہ ص ۱ پر

حافظ احمد شاکر

اللہ تعالیٰ سے گمان اچھا رکھیں

شوال المکرم ختم ہو چکا ہے اس مہینہ میں دینی مدارس عموماً تعلیمی سال کا آغاز کرتے ہیں دین کی حفاظت کا ذمہ تو یقیناً اللہ تعالیٰ ہی نے لیا ہوا ہے لیکن یہ دینی مدارس امت مسلمہ میں دین کے احیاء اور بقاء کا بہت بڑا سبب ہیں۔ یہ مسلم معاشرہ کی بنیادی ضرورت اور جسد ملت کے لئے ریڑھ کی ہڈی کا درجہ رکھتے ہیں۔

کوئی دور کی بات نہیں ماضی قریب ہی میں بلکہ اب بھی دور دراز مقامات پر ایسی مثالیں بلکہ روشن مثالیں مل سکیں گی کہ دینی مدارس کو جاری کرنے اور باقی رکھنے والے بزرگوں کا بنیادی مقصد، مسلمانوں کو تعلیم یعنی علم دین پڑھانا، اس پر عمل کرنا سکھانا، آخرت کا خوف پیدا کرنا اور دوزخ سے بچانا، دلوں میں اللہ تعالیٰ کی محبت پیدا کرنا اور بالآخر ان کو جنت تک پہنچانا ہوتا تھا۔

پڑھنے والے طلباء بھی اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی حاصل کرنے، والدین کے لئے صدقہ جاریہ بن جانے کی خواہش اور اپنے نفس کی اصلاح کی ضرورت سامنے رکھتے ہوئے، گھر بار، والدین اور سکھ چین چھوڑ کر اللہ تعالیٰ کے راستے میں اس امید کے ساتھ نکلتے تھے کہ ملائکہ واقعی ان کے پاؤں تلے اپنے پر بچھائے ہوئے ہیں۔

ناظمین مدارس ذاتی ضروریات دبا کر، خواہشات ختم کر کے، جان جوکھوں سے عطیات و صدقات کی حفاظت فرماتے کہ مبادا ان میں کوئی خیانت نہ ہو جائے اور عند اللہ مسؤلیت میں ندامت نہ ہو۔ مثال کے لئے صوفی محمد عبداللہ رحمۃ اللہ علیہ کے بیسیوں واقعات ان کے حلقہ ارادت میں زبان زدعام ہیں۔

اساتذہ ناقدریٔ زمانہ کا گلہ کرنے کی بجائے اپنی ذمہ داری نبھاتے اور شاگردوں کو ان کی ذمہ داری کا احساس دلاتے۔ مختلف علوم و فنون کی کتابوں کو یوں پڑھاتے کہ طلباء کو ان علوم و فنون سے مناسبت پیدا ہو جاتی۔ علوم عالیہ قرآن و حدیث کے نکات سمجھاتے، فقہی تعلیم یوں دیتے کہ طالب علم عمل کی رغبت اور شوق حاصل کر کے نکلتا۔ معلم اختلافی مسائل پر ہی سارا تعلیمی وقت صرف نہ کر دیتے بلکہ طلباء کو فضائل و رذائل اعمال، حقوق العباد، اشراط الساعہ، جنت کے شوق اور دوزخ کے خوف کو ان کے دلوں میں یوں سمو دیتے کہ وہ اس کو متاع بے بہا سمجھتے ہوئے سینے سے لگا کر اس نعمت کی حفاظت کرتے اور اساتذہ کرام رحمہم اللہ خود قوت لایموت پر ایسے گزارہ کرتے کہ ہمارا "علمی توکل" اس کا تصور بھی نہیں کر سکتا۔

آج کل بہت سے مدارس کے ناظمین تعلیم و تعلم کا ذاتی تجربہ نہ ہونے کے باوجود تعلیمی پروگرام اور تعلیمی مسائل میں ناظم ہونے کے ناطے سے دخل اندازی اس طرح سے کرتے ہیں کہ اس کے ناخوشگوار اثرات، طلباء، علماء اور ماحول پر نمایاں ہو کر دین پسند حلقوں کی مایوسی کا باعث بن جاتے ہیں۔ حالانکہ

حقیقت حال یہ ہے کہ ادارہ کے ناظمین عمارتوں کو بڑھانے اور پھیلانے کے مکلف نہیں ہاں قوم کی جو امانتیں ان کے پاس پہنچ چکی ہیں۔ اللہ تعالیٰ کے ہاں ان کے ذمہ دار اور مسئول وہ ہیں۔

طلباء کے لئے تعلیم کا نظام مضبوط کرنا، طلباء کی حاضری، مطالعہ کا التزام کرنا، استاذ کو ذمہ داری اور تیاری کا احساس دلانا، لہوولعب اور دل و دماغ کو منتشر کرنے والی کتب سے طلباء کو بچانا، ان کی جگہ طلباء کو نصابی کتب کے علاوہ سیرت النبی، سیر الصحابہ، تابعین، ائمہ متقدمین و محدثین کے سوانح، حقوق العباد، اخلاقیات، معاملات اور معاشرتی مسائل پر قرآن و حدیث کی روشنی میں کتب مہیا کرنا اور طلباء کو تعلیمی مدارج کے لحاظ سے ان کتب کا مطالعہ کرانا نہایت ضروری بلکہ واجب ہے اور طلباء کو باجماعت نماز کی تربیت (یعنی جبر یا جرمانے سے نہیں محبت، شفقت اور ذاتی عمل سے) دینا، حرام و حلال کا احساس بیدار رکھنا، او رامراض دل یعنی بغض کینہ، حسد اور غیبت سے ان کو بچانا، یہ سب ذمہ داریاں اساتذہ اور ناظمین دونوں کی ہیں۔

والدین تو محض رضائے الٰہی کی خاطر اپنے نور نظر، جگر گوشوں کو آنکھوں سے دور کرتے، ان کا فراق سہتے اور معیشت کی تنگی برداشت کرتے ہیں۔ طلباء عزیز کو چاہیئے کہ وہ بھی شروع ہی سے رضائے الٰہی کے حصول کی نیت کر لیں کیونکہ رزق تو اللہ تعالیٰ نے دینا ہی ہے اور جو مقدر میں لکھ دیا ہے وہ مل کر ہی رہنا ہے لیکن اللہ تعالیٰ اس طرح دیتا ہے جس طریقہ سے ہم طلب کریں گے لیکن دین کا علم اور سمجھ اللہ تعالیٰ اسی کو عطا فرماتا ہے جس کو پسند فرماتا اور چن لیتا ہے تو طلباء عزیز! ہم سب کو چاہیئے کہ اللہ تعالیٰ سے ہم آخرت طلب کریں، دین کا علم اور اس پر عمل کی توفیق طلب کریں اور اس کے لئے کوشش کریں۔ اس بارے میں اللہ رب العزت سے ہم اگر حسن ظن رکھیں گے تو اللہ تعالیٰ ہم کو کبھی مایوس نہیں کرے گا۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے خود فرمایا ہے کہ انا عندی ظن عبدی (بہ شکریہ ہفت روزہ ''الاعتصام'' لاہور ۲، ذوالقعدہ ۱۴۱۹ھ)

بقیہ از ص ۲۷

ناگہاں ایک لونڈی آئی اور کہا کہ یہاں کے قبیلہ کے سردار کو سانپ نے کاٹ لیا ہے۔ ہمارے یہاں آدمی موجود ہیں۔ آپ میں سے کوئی ایسا ہے کہ جھاڑ پھونک کرے؟ ہم میں سے ایک شخص اٹھ کر اس کے ساتھ ہو لیا۔ ہم نہیں جانتے تھے کہ یہ کچھ دم جھاڑ بھی جانتا ہے۔ اس نے وہاں جا کر کچھ دم کیا وہ بالکل اچھا ہو گیا۔ تیس بکریاں اس نے دیں اور ہماری مہمانی کے لئے دودھ بھی بہت سارا بھیجا۔ جب وہ واپس آئے تو ہم نے کہا کیا تم کو اس کا علم یاد تھا؟ اس نے کہا میں نے تو صرف سورۃ فاتحہ کو پڑھ کر دم کیا ہے۔ ہم نے کہا کہ اس آئے ہوئے مال کو ابھی نہ چھیڑو۔ پہلے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے مسئلہ پوچھ لو۔ مدینہ میں آ کر ہم نے حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا۔ آپ نے صحابی سے فرمایا تمہیں کیسے معلوم ہو گیا کہ یہ پڑھ کر دم کرنے کی سورۃ ہے؟ صحابی نے عرض کیا یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) میں نے آپ ہی سے سنا ہے کہ سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔ آپ نے فرمایا اس مال کے حصے کر لو۔ میرا بھی ایک حصہ (بخاری)

(باقی آئندہ)

مولانا محمد عبدالواحد مخدوم۔ڈاور نزد (چناب نگر)

بعض سورتوں کے فضائل

بسم اللہ الرحمن الرحیم. حامداً ومصلیاً ومسلماً

اللہ تعالیٰ کا بہت بڑا فضل و کرم ہے امت محمدیہ پر کہ اپنی آخری اور مقدس کتاب اپنے پیارے نبی حضرت محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ذریعے اس امت کو عطا فرمائی۔ بہت بڑی بدبختی ہے ان کی جن کو قران کریم سے محبت و پیار نہیں۔ جن کا قرآن کریم سے تعلق نہیں وہ دنیا اور آخرت میں خاسر ہیں اور وہ اپنے نہایت کمزور نفس پر ظلم کر رہے ہیں۔ جنھوں نے اللہ تعالیٰ کے کلام مقدس سے پیار کیا، دن رات اس کو پڑھا اور عمل کیا وہ دنیا اور آخرت دونوں میں مطمئن ہیں۔ اور ان کا دل نور سے چمک جاتا ہے۔ اور خدا سے ان کو نہایت محبت ہو جاتی ہے۔

حضرت امام نافع مدنی جو کہ قراۃ سبعہ کے مشہور قاری ہیں۔ ان کے حالات میں لکھا ہے کہ جب آپ قرآن مجید پڑھتے تھے یا بات کرتے تھے تو ان کے منہ سے مشک اور کستوری کی خوشبو آتی تھی۔ کسی نے دریافت کیا کہ قاری صاحب جب آپ پڑھنے یا پڑھانے بیٹھتے ہیں تو کیا خوشبو لگا کر بیٹھتے ہیں؟ فرمایا نہ میں خوشبو لگاتا ہوں نہ ہی خوشبوں کے نزدیک جاتا ہوں۔ بلکہ بات یہ ہے کہ سید الانبیاء نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو میں نے خواب میں دیکھا کہ میرے منہ میں (یعنی منہ سے منہ ملا کر) قرآن مجید پڑھ رہے ہیں۔ اس وقت سے میرے منہ سے خوشبو آتی ہے۔ دیکھئے قرآن مجید کی مخلصانہ خدمت اور محنت پر دنیا میں بھی اعزاز نصیب ہوا جس کے سامنے ہفت اقلیم کی سلطنت بھی ہیچ ہے اور آخرت کے آرام و راحت و بہار کا تو کہنا ہی کیا۔

حضرت امام حمزہ کوفی رحمۃ اللہ علیہ کے متعلق لکھا ہے۔ کہ وہ ہر مہینہ میں اٹھائیس یا ستائیس یا پچیس قرآن مجید ترتیل کے ساتھ ختم کرتے تھے۔ ترتیل کا مطلب یہ ہے کہ مخارج اور صفات یعنی مدات حرکات سکنات تشدید اور غنہ وغیرہ کو پورے طور پر ادا کرنا اور صفات کی رعایت رکھتے ہوئے حروف کو خوبصورتی کے ساتھ ادا کرنا۔

حضرت ابوبکر شعبہ بن عیاش رحمۃ اللہ علیہ بہت بڑے قاری گذرے ہیں ان کے حالات میں لکھا ہے کہ پچاس برس تک آپ کے لئے بستر نہیں بچھایا گیا اور اس عرصہ میں رات کے وقت پیٹھ نہیں لگائی چوبیس ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کیا۔ جب آپ کی وفات کا وقت قریب آیا تو آپ کی ہمشیر رونے لگی آپ نے فرمایا روتی کیوں ہو؟ مکان کے اس گوشہ کی طرف دیکھو میں نے اس میں اٹھارہ ہزار مرتبہ قرآن مجید ختم کئے ہیں اور اپنے صاحبزادے کو فرمایا کہ بیٹا اس گوشہ میں اللہ تعالیٰ کی نافرمانی ہرگز نہ کرنا۔ اسی طرح جو

شخص بھی اللہ تعالیٰ کی کتاب قرآن مجید کو اپنا دن رات کا مشغلہ بنائے گا اس کو حق تعالیٰ جل شانہ کے ہاں بے حد انعام واکرام سے نوازا جائے گا۔ وہ نعمتیں جو وہاں ملیں گی وہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے ہوں گی۔ کبھی ختم نہ ہوں گی۔ امام النبیین، خاتم النبیین صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ "دلوں کو بھی زنگ لگ جاتا ہے جیسا کہ لوہے کو پانی (کے لگنے) سے۔" صحابہ کرام رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم) دلوں کا زنگ کیسے اترتا ہے؟ فرمایا موت کو بہت یاد کرنا اور قرآن مجید کی تلاوت کرنا۔ (مشکواۃ۔)

ایک حدیث میں ہے حضرت عثمان غنی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ امام الانبیاء صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔ خیرکم من تعلم القرآن وعلمہ (بخاری) کہ تم میں سے بہترین شخص وہ ہے جو قرآن سیکھے اور سکھائے۔

قرآن پاک کی تلاوت بہت بڑی دولت ہے۔ جو حضرات حافظ قرآن نہ ہوں یا پورا قرآن نہ پڑھ سکتے ہوں۔ تو ان کو چاہیے کہ ایسی سورتیں ہی پڑھ لیا کریں جن کی آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے خصوصی فضیلت بیان فرمائی ہے۔ چند سورتوں اور بعض آیات کے فضائل ملاحظہ فرمائیں۔

سورۃ فاتحہ کے فضائل

(۱) اس سورت کو بہت سی خصوصیات حاصل ہیں اوّل یہ کہ قرآن مجید اسی سے شروع ہوتا ہے۔ دوسری خصوصیت یہ ہے کہ یہ سورت ایک حیثیت سے پورے قرآن کا متن اور سارا قرآن اس کی شرح ہے۔ اس وجہ سے کہ پورے قرآن کے مقاصد ایمان اور عمل صالح میں دائر ہیں اور ان دونوں چیزوں کے بنیادی اصول اس سورت میں بیان کر دیئے گئے ہیں (معارف القرآن) سورۃ فاتحہ کا ایک نام ام القرآن (قرآن کی ماں) ہے۔ ایک نام سبعہ مثانی ہے۔ اس سورت کے کئی نام ہیں۔ موطا امام مالک میں ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت ابی بن کعب رضی اللہ عنہ کو آواز دی۔ وہ نماز میں تھے جلدی فارغ ہو کر آپ سے ملے۔ (فرماتے ہیں) آپ نے اپنا ہاتھ میرے ہاتھ میں رکھا۔ مسجد سے باہر نکل ہی رہے تھے فرمایا کہ میں چاہتا ہوں کہ مسجد سے نکلنے سے پہلے میں تجھے ایک ایسی سورۃ بتاؤں کہ توریت انجیل اور قرآن پاک میں اس جیسی سورۃ نہیں۔ اب میں نے اس امید پر چال نرم کر دی اور پوچھا یارسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم وہ کونسی سورت ہے؟۔ آپ نے فرمایا نماز کے شروع میں کیا پڑھتے ہو؟ میں نے کہا الحمد للہ رب العالمین پوری سورۃ۔ آپ نے فرمایا وہ یہی سورۃ ہے۔ سبع مثانی اور قرآن عظیم جو مجھے دیا گیا ہے وہ بھی یہی ہے (ابن کثیر۔)

(۲) حضرت عبدالملک بن عمیر سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔

فی فاتحۃ الکتاب شفاء من کل داء۔ مشکواۃ کہ سورۃ فاتحہ میں ہر بیماری سے شفا ہے۔

(۳) حضرت ابو سعید خدری سے روایت ہے کہ ہم ایک مرتبہ سفر میں تھے ایک جگہ اترے ہوئے تھے۔

بقیہ ص ۱۷ پر

پروفیسر قاضی محمد طاہر الہاشمی

تردید اصلاحی یا توہین صحابی رضی اللہ عنہ

جامعہ اشرفیہ سکھر کے ترجمان ماہنامہ "الاشرف" کے قرآن نمبر کی پہلی جلد جسے مدیر مسئول مولانا محمد اسلم صاحب شیخوپوری نے بالفاظ ذیل اہل علم کی خدمت میں پیش کیا ہے:

"مختلف مدارس کی جانب سے ماہناموں کا ایک رواج سا چل نکلا ہے۔ لکھنے والے کم ہیں اور رسائل زیادہ ہیں اس لیے زیادہ تر بار بار کے پڑھے ہوئے مضامین ہی دیکھنے میں آتے ہیں۔ جی چاہتا تھا کہ روایتی ڈگر سے ہٹ کر کوئی ایسا کام کیا جائے جو پائیدار ہو.... غرضیکہ طویل سوچ بچار، مشوروں اور دعاؤں کے بعد یہ طے کیا کہ اپنی اور الاشرف کی باقی ماندہ زندگی کو خدمت واشاعت قرآن کے لیے وقف کر دیا جائے"....(قرآن نمبر ص ۱/۵)

یہ یقین دہانی پڑھتے ہی خیال آیا کہ ایک علمی ادارے کی طرف سے روایتی ڈگر سے ہٹ کر طویل سوچ بچار، مشوروں اور دعاؤں کے بعد جو پہلا نمبر شائع ہوا ہے اس کا مواد اور مضامین نہایت ہی مستند اور تحقیقی ہوں گے مگر اس میں شامل ایک مضمون "مولانا امین احسن اصلاحی اور سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر" کے مطالعے سے حیرت میں ڈوب گیا کہ جو مضمون کسی "روایتی" ماہنامے میں بھی شائع ہونے کے لائق نہیں تھا اسے مدیر محترم نے خصوصی اہمیت دیتے ہوئے اپنے تعارفی کلمات کے ساتھ شائع کرایا۔ چنانچہ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"راقم الحروف نے محترم ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب زید مجدہم سے قرآن نمبر کے لیے کوئی مضمون لکھنے کی درخواست کی تو انہوں نے فرمایا کہ ابھی حال ہی میں مولانا امین احسن اصلاحی صاحب کا انتقال ہوا ہے جس کی وجہ سے اخبارات میں ان کی تفسیر "تدبر قرآن" کا بڑا شہرہ ہے جبکہ میں نے مولانا کی زندگی ہی میں ایک آیت کی تفسیر کے حوالے سے نقد کیا تھا اور وہ مضمون ابھی تک غیر مطبوعہ ہے اگر چاہیں تو اسے شامل اشاعت کر لیں۔ چونکہ قرآن نمبر کا ایک مقصد یہ بھی ہے کہ عام مسلمانوں کو گمراہ کن تفاسیر سے بچایا جائے اس لیے اس مضمون کو یہاں شائع کیا جارہا ہے" (قرآن نمبر ص ۱۱۷)

گویا مدیر محترم نے اپنے زعم میں زیر بحث مضمون عام مسلمانوں کو گمراہی سے بچانے کے لیے شائع کیا ہے جبکہ حقیقت اس کے بالکل برعکس ہے۔ اس مضمون میں ایک صحابیٔ رسول صلی اللہ علیہ وسلم سیدنا ولید بن عقبہ راضی اللہ عنہ کی کردار کشی اور شدید توہین کی گئی ہے جس کی کسی ادنیٰ مسلمان سے بھی توقع نہیں کی جاسکتی۔

فاضل مضمون نگار نے اپنے مضمون کے عنوان سے بظاہر یہ تاثر دینے کی کوشش کی ہے کہ ان کا مقصد مولانا اصلاحی مرحوم کی زیر بحث آیت کی غلط تفسیر کی تردید ہے جس میں مرحوم نے ایک مظلوم صحابی راضی

اللہ عنہ کا دفاع کیا ہے چنانچہ وہ لکھتے ہیں کہ:

"افسوس ہے کہ مولانا اصلاحی نے مضمون کے آخر میں ولید بن عقبہ کے دفاع کے بعد.... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے سورۃ حجرات کی اس آیت کی تفسیر کو ولید بن عقبہ کے دفاع کے لیے استعمال کیا ہے.... یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں کہ اموی خاندان کے ایک ایسے فرد کے دفاع کے لیے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے ہم اپنے تمام علمائے سلف کو مطعون کریں اور اپنے تمام ذخیرہ تفسیر میں شک پیدا کریں یہ نہ تو علم کی کوئی خدمت ہے نہ اسلام کی"

(قرآن نمبر ص ۱۲۷، ۱۳۴، ۱۳۷)

گویا دفاع صحابہ رضی اللہ عنہ مرحوم کا ناقابل معافی جرم بن گیا۔ مضمون نگار نے "اخلاقی تقاضوں" کے پیش نظر مرحوم کا ذکر نہایت احترام کے ساتھ کیا ہے۔ "گرامی قدر مولانا.... مولانا امین احسن اصلاحی صاحب.... مولانا مدظلہ کا تفسیر قرآن میں جو اعلیٰ مقام ہے وہ سر آنکھوں پر۔ راقم الحروف ان کا بہت احترام کرتا ہے لیکن سلف اور قدیم و مستند مفسرین و محدثین بھی اس طرح بلکہ اس سے زیادہ احترام کے مستحق ہیں۔" (قرآن نمبر ص ۱۱۷)

موصوف نے اپنے مضمون میں اس دعویٰ کو سچا ثابت کر دکھایا جہاں جہاں ان اسلاف کا ذکر کیا تو ہر جگہ احترام کو ملحوظ رکھا لیکن ایک مومن، ایک صحابی، ایک مجاہد، سیدنا عثمان غنی رضی اللہ عنہ کے ماں جائے بھائی اور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کو کسی احترام کا مستحق نہیں گردانا۔ بلکہ دیگر اموی صحابہ رضی اللہ عنہم پر بھی تعریض کرنے میں کوئی کسر نہیں چھوڑی:

"لیکن بعد کے واقعات نے بتایا کہ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا یہ اقدام درست نہ تھا.... سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ جیسے صحابی کو معزول کر کے ان کی جگہ ولید بن عقبہ کو مقرر کرنا حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کا ایک غیر مستحسن فعل تھا" (ص ۱۳۴، ۱۳۶)

جہاں تک عہد نبوی صلی اللہ علیہ وسلم میں سرکاری مناصب کے لیے ثقاہت و عدالت کا مسئلہ تھا تو یہ ایک غلط مفروضہ پر مبنی ہے.... ایسے مناصب پر تعین کے لیے ثقاہت و عدالت سے زیادہ شخصی اعزاز، خاندانی وجاہت اور تعلیم و اہلیت ضروری تھی۔ اس لیے آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے بعد سابقین اولین اور انصار کے بجائے خاندان بنی امیہ کے بعض اہل افراد کو ایسے مناصب سپرد کیے۔۔ لیکن آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنے ایسے اصحاب کے بجائے ان لوگوں کو یہ مناصب تالیف قلب کے لیے خاندانی وجاہت اور ذاتی کارکردگی کی بناء پر دیئے تھے اس میں ثقاہت و عدالت کی کوئی بات نہ تھی" (ص ۱۳۰)

قابل افسوس بات یہ ہے کہ بعض لوگ صحابہ کے بارے میں وہ تصور رکھتے ہیں جو شیعہ حضرات اپنے ائمہ کے بارے میں رکھتے ہیں (پھر بعض صحابہ کے کردار پر تنقید ثابت کی)" (ص ۱۳۲)،

"شیعہ حضرات تو اس حماقت میں گرفتار ہی ہیں کہ ان کے بارہ ائمہ اہل بیت معصوم عن الخطاء تھے

لیکن افسوس کہ ان کے جواب میں ہمارے بعض علماء اور عوام نے صحابہ صحابہ کا نعرہ لگا کر شیعوں والی بات صحابہ کے ساتھ کی ہے" (ص ۱۳۷)

مضمون نگار نے اپنے مضمون میں تینتیس (۳۳) مرتبہ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا نام لکھا ہے مگر کسی مقام پر بھی آں محترمؓ کے نام کے ساتھ ادب و احترام یا ترضی کا نشان ؓ ظاہر نہیں کیا۔ جبکہ بعض مقامات پر نام کے بجائے یوں لکھا ہے کہ:

"اس کے ایسے قصے ہیں.... اس کے مکروہ حالات ..... اس کی بہادری.... اس کو.... بہادر تھا اور جہاد کرتا تھا.... اس کی شراب خوری۔"

"یہاں سوال یہ ہوتا ہے کہ ولید بن عقبہ نے یہ غلط بیانی یا دروغ گوئی کیوں کی؟.... یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے کذب سے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم کو خبردار کیا اس کے لیے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ پہلے سے کاذب مشہور ہوں.... یہ کس نے کہا کہ قرآن کریم نے ولید بن عقبہ کو ہمیشہ کے لیے فاسق قرار دے دیا تھا اور ندامت و توبہ کا دروازہ ان پر بند کر دیا تھا.... ولید بن عقبہ کا گناہ تو اس درجہ کا نہ تھا.... ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کے بیٹے اور طلقاء میں سے تھے۔ یعنی ان لوگوں میں سے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے.... مگر کیا کیا جائے ہماری انتہائی صحیح کتب حدیث و تاریخ میں معدودے چند ایسے واقعات مذکور ہیں ان ہی میں سے ولید بن عقبہ کا معاملہ بھی ہے.... سو ولید بن عقبہ کا شراب خوری کا معاملہ بھی ایسے ہی Addiction یا مرض کی مثال ہے" (ص ۱۲۹-۱۳۷)

اس انداز تحقیق کو رافضیت و سبائیت کی خدمت کے علاوہ اور کیا نام دیا جا سکتا ہے؟ الزامات کے جواب سے قبل سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کا مختصر تعارف ملاحظہ فرمائیں:

سیدنا ولید بن عقبہؓ نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کی حقیقی پھوپھی البیضاء ام حکیم بنت عبدالمطلب کے نواسے ہیں۔ ان کی والدہ محترمہ سیدہ اروی بنت کریز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی پھوپھی زاد بہن ہیں اور یہ سیدنا عثمانؓ کی بھی ماں ہیں۔ اس رشتے کے اعتبار سے یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے بھانجے ہیں۔ وہ لڑکپن میں فتح مکہ کے موقع پر اپنے بھائی عمارہؓ کے ساتھ مشرف با اسلام ہوئے۔ اس طرح ان کا شمار صغار صحابہ میں ہوتا ہے۔ علامہ ابن حجر العسقلانی ان کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

وہ خوش طبعی، بردباری، شجاعت اور ادب میں قبیلہ قریش کے معزز افراد میں سے تھے۔ دیگر علماء رجال نے بھی ان اوصاف کا ذکر کیا ہے۔ (نسب قریش المصعب الزبیری ص ۱۳۸، تہذیب التہذیب ۱۱/۱۴۲، الاصابہ جلد سوم ص ۶۳۸) سیدنا صدیق اکبرؓ نے ان اوصاف اور ذاتی اہلیت و قابلیت کی بناء پر انہیں مختلف مناصب پر فائز کیا۔ ۱۲ھ میں یہ سیدنا خالد بن ولیدؓ کی معیت میں داد شجاعت دیتے رہے۔ اس کے بعد عیاض بن غنم فہری کی امداد کے لیے ایک لشکر لے کر گئے۔ پھر ۱۳ھ میں انہیں قبیلہ بنی قضاعہ کے صدقات پر اس شان کے ساتھ مقرر کیا گیا کہ صدیق اکبرؓ انہیں رخصت کرنے کے لیے خود مدینے سے

باہر تشریف لے گئے۔ اس کے بعد عہد صدیقیؓ ہی میں انہیں قائد لشکر بنا کر اردن کی طرف روانہ کیا گیا۔

سیدنا فاروق اعظمؓ کی طرف سے قبیلہ بنی تغلب اور عرب الجزیرہ پر حاکم و عامل متعین رہے۔ ۱۷ھ میں جب قیصر روم نے حمص کے مقام پر مسلمانوں کا محاصرہ کرنا چاہا اس وقت بھی انہوں نے ایک طرف اپنی مجاہدانہ سرگرمیاں جاری رکھیں تو دوسری طرف جزیرہ کی عیسائی آبادی کو مسلمان بنانے کی پوری کوشش کی۔

سیدنا عثمان غنیؓ نے انہیں کوفہ کا والی مقرر کیا اور پورے پانچ سال تک اس شان کے ساتھ اپنے فرائض سرانجام دیتے رہے کہ ان کی حویلی ہر وقت عام و خاص کے لیے کھلی رہی۔ ان کا سلوک رعایا کے ساتھ نرم ترین اور وہ خود لوگوں کی نظر میں محبوب ترین رہے۔

یہ واقعات مورخ طبری نے بیان کیئے ہیں جنہیں خود مضمون نگار نے عظیم اور مستند قرار دیا ہے بلکہ ان کا بھرپور دفاع کرتے ہوئے یہاں تک لکھا ہے کہ "امام طبری پر جو بعض لوگ شیعیت کا الزام لگاتے ہیں۔ وہ مہمل اور لغو ہے۔ ہم نے اپنے مجلہ البیان میں تفصیل کے ساتھ اس ظالمانہ الزام کی تردید کی ہے" (قرآن نمبر ص ۱۲۶)

موصوف سیدنا ولید بن عقبہؓ کے شرف صحابیت کے متعلق لکھتے ہیں کہ:

"ولید بن عقبہ بن ابی معیط حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے بدترین دشمن کے بیٹے اور طلقاء میں سے تھے یعنی ان لوگوں میں سے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے۔ ان کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم سے زیادہ صحبت بھی حاصل نہیں رہی.... صحابی کی تعریف میں اہل علم کا اختلاف ہے لیکن سلف و محققین کے نزدیک صحابی وہی ہے جس کو حضور صلی اللہ علیہ وسلم کی مسلسل رفاقت و ہم نشینی حاصل رہی ہے۔ چند مرتبہ کے ملنے والے یا تھوڑے وقت ساتھ رہنے والے کو ہم اپنی زبان میں بھی دوست و ساتھی نہیں کہتے ہیں۔" (ص ۱۳۰، ۱۳۶) جبکہ اصطلاحِ شریعت میں صحابی اس شخص کو کہا جاتا ہے جس نے آپ کو بحالت ایمان دیکھا ہو اور اسی حالت میں وفات بھی پائی ہو۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ:

"من صحب النبی اولاہ من المسلمین فھو من اصحابہ"

یعنی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی یا آپ کو بحالت ایمان دیکھ لیا تو وہ آپ کے صحابہ میں سے ہے۔ (صحیح بخاری باب فضائل اصحاب النبی صلی اللہ علیہ وسلم)

علامہ عبدالعزیز فرہاروی لکھتے ہیں کہ:

"من صحب النبی و لو ساعۃ من الایمان ومات مؤمناً"

جس نے ایمان کی حالت میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی صحبت پائی اگرچہ ایک ساعت کے لیے اور ایمان ہی کی حالت میں وفات ہوئی ہو وہ صحابی ہے۔ (النبراس شرح لشرح العقائد ص ۵۴۶) افسوس موصوف نے صحابی کی تعریف کے متعلق کوئی حوالہ پیش نہیں کیا زیادہ سے زیادہ اس کی تائید میں محض اپنی "زبان" پیش کر دی علاوہ ازیں موصوف نے "طلقاء" کی جو تعریف بیان کی ہے وہ بھی کذب، افتراء، جہالت، ضد، تعصب اور عناد پر مبنی ہے۔

''طلقاء'' کسی قوم یا قبیلے کا نام نہیں ہے بلکہ یہ لفظ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فتح مکہ کے موقع پر قریش کے جملہ قبائل کو خطاب کرتے ہوئے فرمایا:

اقول لکم کما قال یوسف لا خوته لا تثریب علیکم الیوم اذهبوا فانتم الطلقاء"

(زاد المعاد ص ۴۲۴/۱) میں تم سے وہی کہتا ہوں جو حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں سے کہا تھا۔ آج تم پر کوئی الزام نہیں جاؤ تم سب آزاد ہو۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس موقع پر صرف بنوامیہ کو نہیں بلکہ پورے قریش کو مخاطب کر کے کہا تھا کہ تم سب کو معافی دے دی گئی۔ تم آزاد ہو۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس خطاب میں بار بار "یا معشر قریش" فرمایا۔ یہ خطاب خود بتلا رہا ہے کہ ''طلقاء'' صرف بنوامیہ نہیں تھے۔ حکیم بن حزامؓ، ابوسفیان بن الحارث بن عبدالمطلبؓ، عکرمہؓ بن ابی جہل، عقیلؓ بن ابی طالب، حضرت علیؓ کی بہن ام ھانیؓ اور اس موقع پر جن دو ہزار افراد نے اسلام قبول کیا تھا وہ سب ''طلقاء'' میں سے تھے۔

قریش کے لیے ''طلقاء'' یعنی معافی کا لفظ دراصل ان کی عظمت اور فضیلت کا باعث ہے۔ یہ لفظ کسی طور پر بھی مذمت اور تحقیر کے لیے استعمال نہیں ہوتا مگر جن لوگوں کے دلوں میں مرض اور باطن میں خبث ہے وہ اس لفظ کو صحابہؓ میں مذمت کی استعمال کرتے ہیں۔

موصوف کے مضمون کا عنوان ہے کہ

''مولانا امین احسن اصلاحی اور سورۃ الحجرات کی آیت نمبر ۶ کی تفسیر:۔ آیت کے الفاظ یہ ہیں''

یایها الذین امنوآ ان جاء کم فاسق بنبیئا فتبینو آ ان تصیبوا قوماً بجهالته فتصبحوا علی ما فعلتم ندمین ہ

ترجمہ:۔ اے اہل ایمان اگر تمہارے پاس کوئی فاسق کوئی خبر لائے تو اس کی اچھی طرح تحقیق کر لیا کرو۔ ایسا نہ ہو کہ تم کسی قوم کو گزند پہنچاؤ اور تم کو اس پر نادم ہونا پڑے۔

سخت حیرت ہے کہ مولانا محمد اسلم شیخو پوری صاحب جو دوسرے اداروں کی مطبوعات میں کتابتی اغلاط پر سخت معترض ہیں خود اسی تجاہل و تغافل کا شکار ہو گئے۔ اور آیت زیر بحث میں دو لفظ غلط لکھ دیئے گئے: ''فتبینوا'' کی جگہ ''فبینوا'' اور ''فعلتم'' کو ''فصلتم'' سے تبدیل کر دیا گیا۔ (قرآن نمبر ص ۱۱۷) مدیر محترم اپنے ابتدائیہ میں لکھتے ہیں کہ:

''آپ خود فیصلہ کیجئے کہ جب تصحیح کا یہ انداز ہو گا تو اغلاط سے مبرا کتابیں کیسے شائع ہو سکیں گی۔ چلو دوسری کتابوں میں تو پھر بھی چشم پوشی کی جا سکتی ہے مگر اللہ کی کتاب میں اس قسم کی چشم پوشی رواداری کے زمرے میں نہیں آئے گی بلکہ ناقابل معافی جرم شمار ہو گی۔ ہماری اس چشم پوشی اور تجاہل و تغافل نے یہ روز سیاہ ہمیں دکھایا ہے کہ اغلاط سے پر قرآن کریم مسلسل شائع ہو رہے ہیں۔ مگر کوئی گرفت کرنے والا

نہیں دکھائی دیتا" ۔ (قرآن نمبر ص ۸)

مضمون نگار نے مولانا اصلاحی مرحوم کے متعلق لکھا ہے کہ انہوں نے راغب اصفہانی کا تتبع کرتے ہوئے "نباء" کے معنیٰ اہم خبر کے بتائے ہیں حالانکہ عربی زبان کی مستند ترین اور ضخیم ترین "لسان العرب" میں اس کے معنی صرف خبر کے ہیں" پھر انہوں نے عرب ممالک میں ریڈیو اور ٹیلی ویژن پر نشر کی جانے والی خبروں کا بھی حوالہ دیا کہ ان کے لئے "انباء" کا لفظ مستعمل ہے جو "نباء" کی جمع ہے۔

یہ دلیل بھی بالکل بے وزن ہے کیونکہ خبروں میں بھی "انباء" کا استعمال خاص خبروں کے لئے ہی ہوتا ہے ورنہ ہر خبر کے نشر کا انتظام ناممکن ہے" "النباء" غیر اہم خبر کو نہیں کہا جاتا بلکہ ایسی خبر جس سے دوررس نتائج نکل سکتے ہوں اس کو "نباء" کہتے ہیں "النباء خبر ذو فائدة عظيمة"

موصوف اگر آیت زیر بحث میں شامل الفاظ ان تصیبوا قوماً بجھالۃ" پر ہی غور فرما لیتے تو پھر انہیں "نباء" کی تشریح میں اتنی زحمت اٹھانے کی ضرورت ہی محسوس نہ ہوتی۔ مولانا اشرف علی تھانوی لکھتے ہیں کہ:

"اس خبر سے مراد مطلق خبر نہیں ہے بلکہ جس پر عمل کرنے سے کسی کا ضرر لازم آتا ہو۔ بقرینۃ "ان تصیبوا...." (بیان القرآن تحت الآیۃ) مضمون نگار لکھتے ہیں کہ: جہاں تک اس آیت کی شان نزول کا تعلق ہے وہ نہ صرف تمام مفسرین بلکہ محدثین کے نزدیک ولید بن عقبہ کے بارے میں ہے۔ (پھر بحوالہ ابن عبدالبر لکھتے ہیں) "علمائے تفسیر قرآن کے مابین میرے علم کے مطابق اس میں کوئی اختلاف نہیں کہ ارشاد ربانی ولید بن عقبہ کے بارے میں اترا ہے"

(قرآن نمبر ص ۱۲۵، ۱۳۸)

موصوف کے بائیس صفحات پر مشتمل اس طویل مضمون سے یہی ظاہر ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ آیت کریمہ صرف ولید بن عقبہ کا فسق ظاہر کرنے کے لئے نازل کی ہے کیونکہ اس آیت میں بیان کردہ اصولی ہدایت کی طرف موصوف نے صرف ایک جملہ میں اشارہ کیا ہے کہ " یہ آیت جس میں اسلام کے ایک اہم اصول اخلاق و سیاست کی تعلیم دی گئی ہے" (ص ۱۱۷) اس کے بعد سارا زور قلم ولید بن عقبہ کو دروغ گو، فاسق اور شرابی ثابت کرنے اور آں محترم کا دفاع کرنے والوں کو مطعون کرنے پر صرف کر دیا۔ موصوف لکھتے ہیں کہ:

"فسق۔ اس کے مختلف معانی ہیں۔ کفر، نفاق، گمراہی، حرام وغیرہ۔ ان ہی میں سے ایک معنی جھوٹ کے ہیں۔ ایک قول یہ ہے کہ فاسق کے معنی جھوٹے کے ہیں اور وہی یہاں مراد ہیں۔ اس کے معانی میں خروج عن الحق یعنی حق سے فرار بنیادی مفہوم ہے۔ حالانکہ یہاں لغت میں مذکور یہ معنی بھی لئے جاسکتے ہیں کہ دنیاوی طور پر کوئی صاحب ثروت شخص اگر کوئی خبر دے تو اس پر فوراً یقین نہ کر لو بلکہ تحقیق ضروری ہے اور یہ معلوم ہے کہ ولید بن عقبہ کا تعلق ایک کھاتے پیتے خاندان سے تھا یا پھر یہ کہ اللہ تعالیٰ نے ان کے

کذب سے اپنے نبی کو خبردار کیا اس کے لئے یہ ضروری نہ تھا کہ وہ پہلے سے کاذب مشہور ہوں۔ یہ کس نے کہا کہ قرآن کریم نے ولید بن عقبہ کو ہمیشہ کے لئے فاسق قرار دے دیا تھا" (قرآن نمبر ص ۱۲۹، ۱۳۳)

موصوف نے کس ڈھٹائی اور بے غیرتی سے آں محترم کو فاسق اور کاذب قرار دے دیا۔ کاش وہ زیر بحث آیت کے بعد والی آیت ملاحظہ کر لیتے جس میں بڑی وضاحت کے ساتھ صحابہ سے کفر، فسق اور عصیان کی نفی کی گئی ہے۔ حالانکہ مفسرین کرام بھی اس جاہلانہ، احمقانہ اور ظالمانہ الزام کی تردید کر رہے ہیں۔

علامہ علاء الدین علی بن محمد بغدادی م ۷۲۵ھ لکھتے ہیں کہ:

لان الفسوق خروج عن الحق ولایظن بالولید ذالک......" (تفسیر خازن مع بغوی ص ۲۲۲ تحت الایہ)

کیونکہ فسق کا معنی حق سے فرار ہے اور ولید کے متعلق ایسا گمان نہیں کیا جا سکتا۔

امام فخرالدین رازی م ۶۰۶ھ لکھتے ہیں کہ:

بہرحال معترفین اگر یہ کہیں کہ آیت مذکورہ ولید بن عقبہ کے بارے میں نازل ہوئی۔ تو ایسا نہیں بلکہ ہم کہتے ہیں کہ یہ آیت کسی بھی فاسق کے قول اور اس کی بات کو معتبر سمجھنے کے بارے میں عام حکم کے طور پر نازل کی گئی ہے۔ اس معترض کے قول کے ضعیف ہونے پر دلیل یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ نے یہ نہیں فرمایا کہ آیت مذکورہ فلاں کے لئے نازل کی گئی ہے اور نہ ہی نبی اکرم سے یہ منقول ہے۔

غایت مافی الباب یہ ہے کہ یہ آیت فلاں وقت نازل کی گئی اور یہ تو آیت کے نزول کی تاریخ کی طرح ہے۔

ان اطلاق لفظ الفاسق علی الولید شئی بعید لانہ توھم وظن فاخطاء والمخطی لا یسمّی فاسقا".

ولید پر لفظ فاسق کا اطلاق بہت دور کی بات ہے کیونکہ (بشرط صحت روایت) یہ ان کا وہم اور ظن تھا جس میں انہوں نے غلطی کھائی لیکن غلطی کھانے والے کو تو فاسق نہیں کہا جاتا۔" (تفسیر کبیر ص ۲/۵۸۹۔ تحت الایہ)

اگر بالفرض یہ روایت صحیح ہے کہ نبی اکرم نے ولید بن عقبہؓ کو بنی معطلق کے پاس صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا تھا تو اس کے ساتھ علمائے تفسیر نے یہ وضاحت بھی کی ہے کہ راستے میں انہیں ایک شیطان نے کہا کہ یہ لوگ آپ کے قتل کے ارادہ سے باہر نکل آئے ہیں" فحدثه الشیطان انهم یریدون قتله.

(تفسیر ابن جریر تحت الایہ، تفسیر ابن کثیر، تفسیر بغوی مع خازن تحت الایہ، مدارج السالکین لابن قیم ص ۱۳۶۰)

ماھنامہ الاشرف کے ذمہ داران جنہوں نے اس کے سرورق پر "بیاد حکیم الامت مجدد الملت حضرت مولانا اشرف علی تھانوی قدس سرہ" لکھا ہوا ہے۔ اس سلسلے میں کم از کم ان کی تفسیر سے ہی رہنمائی حاصل کر لیتے جن میں وہ لکھتے ہیں کہ:

"پس یا یھاالذین آمنوا۔ میں مخاطب عام مومنین ہیں اور فاسق سے مراد عام فاسقین ہیں اور فاسق کا ذکر افادہ مبالغه فی الحکم کے لئے ہے یہ نہیں کہ جس قصہ میں اس کا نزول ہوا ہے اس کو فاسق کہا گیا ہو۔ پس اس آیت سے نہ ولید کا فاسق ہونا لازم آیا۔ اسی طرح صحابہ کے عدول و غیر عدول ہونے کی بحث کرنا امر زائد ہے کیونکہ ولید کا فاسق

ہونا آیت سے لازم ہی نہیں آتا بلکہ نہ حدیث ہے ......" (بیان القرآن) آیت زیر بحث اپنے حکم میں بالکل واضح ہے۔ شان نزول سے متعلق روایات کے بغیر بھی اس کا مطلب و مفہوم سمجھنے میں کوئی دشواری نہیں ہوتی۔ بہت سے مفسرین اس قصے میں پڑے بغیر آیت کی تفسیر بیان کر گئے۔ شیخ الاسلام شبیر احمد عثمانی نے اپنی تفسیر میں اس واقعے کا سرے سے ذکر ہی نہیں کیا۔

شاہ فہد قرآن کریم پرنٹنگ کمپلیکس کی طرف سے ایک ترجمہ قرآن مع حواشی شائع کرا کر حاجی حضرات میں تقسیم کیا گیا ہے جس کے خلاف اس قرآن نمبر میں ماسٹر محمد امین صفدر صاحب اوکاڑوی کا ایک مضمون بعنوان "ایک جدید حاشیہ قرآن کریم" شامل ہے۔ فاضل محشی نے آیت زیر بحث میں اہل حق کی ترجمانی کی ہے کہ:

"لیکن سند اور امر واقعہ دونوں اعتبار سے یہ روایت صحیح نہیں ہے اس لئے اسے ایک صحابی رسول پر چسپاں کرنا صحیح نہیں ہے"۔ (قرآن کریم مع اردو ترجمہ و تفسیر ص ۱۴۵۷)

کیا ماسٹر امین اوکاڑوی صاحب اور ادارہ الاشرف کو اس کے ساتھ بھی اختلاف ہے؟ اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ آیت میں لفظ "فاسق" سے وہ شخص (شیطان) مراد ہے جس نے سیدنا ولید کو غلط اطلاع پہنچائی تھی اس کی تائید خود آیت زیر بحث سے بھی ہوتی ہے کہ اگر مضمون نگار کے زعم باطل کے مطابق آیت میں "نباء" سے مراد وہ خبر ہوتی جو سیدنا ولید نے دی تھی اور "فاسق" سے مراد معاذاللہ آں محترم ہی ہوتے تو آیت میں خطاب صحابہ کے بجائے خود نبی اکرم سے ہوتا اور یا یھاالذین آمنو.....

کے بجائے یا یھاالنبی ان جاءک فاسق بنبا"

قسم کے الفاظ ہوتے۔ لیکن آیت میں خطاب صحابہ کرام کو ہے جس کے صاف معنی یہ ہیں کہ کسی صحابی نے کسی فاسق کی خبر پر اعتبار کر لیا ہے۔ اگر سیدنا ولید رضی اللہ عنہ نے بقول معترض "دروغ گوئی" سے کام لے کر آپ کو غلط اطلاع پہنچائی تھی جس کے نتیجے میں آپ نے سیدنا خالد بن ولیدؓ کی زیر سر کردگی ایک لشکر بھی روانہ کیا تھا۔ تو اس اطلاع کے غلط ثابت ہو جانے کے بعد کیا یہ ممکن ہے کہ آپ نے ولید کو زجر و توبیخ نہ کی ہو؟

سخت حیرت ہے کہ اتنا بڑا سنگین واقعہ رونما ہوا ہو جس کے نتیجے میں بے قصور مسلمان تلوار کی زد میں آسکتے ہوں اور جس پر آیت کا نزول بھی ہوا ہو تو اس "مجرم" پر آپ نے نہ تو کوئی تعزیر لگائی ہو اور نہ ہی ڈانٹ ڈپٹ سے کام لیا ہو۔ پھر اتنی خطرناک غلطی کے بعد سیدنا ولید نہ تائب و نادم ہوئے اور نہ ہی انہوں نے مدینہ کی سکونت ترک کی۔ پھر اس واقعے کے تھوڑے ہی عرصہ بعد سیدنا صدیق اکبر رضی اللہ عنہ انہیں قبیلہ قضاعہ کے صدقات کی وصولی پر مامور کریں، لشکروں کی قیادت سونپیں۔ سیدنا فاروق اعظم رضی اللہ عنہ جیسے خلیفہ راشد انہیں والی و عامل بنائیں، پھر سیدنا عثمان رضی اللہ عنہ بھی اسی پالیسی پر عمل پیرا ہوتے ہوئے انہیں کوفہ کی گورنری جیسا حساس منصب عطا کر دیں۔

قابل غور بات یہ ہے کہ اگر فی الواقع آیت زیر بحث سیدنا ولید کے بارے میں اتری ہوتی اور اس کی رو سے وہ "فاسق" اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو دھوکہ دینے والے قرار پاتے تو خلفاء راشدین ایسے شخص پر اعتماد کر کے اہم معاملات ان کے سپرد کیوں کرتے؟ خلفاء راشدین کا طرز عمل بھی اس بات کا واضح ثبوت ہے کہ آیت زیر بحث آں محترم راضی اللہ عنہ کے بارے میں ہرگز نازل نہیں ہوئی۔

مضمون نگار لکھتے ہیں کہ..... محدثین میں سے امام احمد بن حنبل، ابن ابی حاتم، طبرانی اور محمد بن جریر الطبری علیہم الرحمۃ نے ان روایات کو جن میں اس آیت کی شان نزول میں ولید بن عقبہ کا ذکر ہے۔ حضرت حارث بن ابی ضرار والدام المومنین جویریہؓ، ابن عباس، امالمومنین ام سلمہؓ سے روایت کیا ہے۔ ان صحابہ کرام کے علاوہ کتب تفسیر میں ایسی روایات مشہور تابعین مجاھد، قتادہ، ضحاک، مقاتل بن حیان، ابن ابی لیلیٰ اور یزید بن رومان رحمھم اللہ تعالیٰ سے مروی ہیں جو حضرت ابن عباسؓ کے مشہور شاگردوں میں ہیں۔ (قرآن نمبر ۱۲۶)

لیکن حقیقت یہ ہے کہ یہ واقعہ روایتاً ودرایتاً ہر اعتبار سے غلط ہے۔ اس روایت کے جتنے بھی طرق مروی ہیں ان میں سے کوئی بھی ضعف سے خالی نہیں۔ موصوف نے مشہور تابعین کے نام سے جو فہرست پیش کی ہے ان میں سے کوئی بھی واقع کا عینی شاھد نہیں۔ یہ واقعہ ان سے کس نے بیان کیا؟ روایات میں اس کا کوئی ذکر نہیں۔ اس لحاظ سے ان میں سے کوئی روایت بھی قابل حجت نہیں۔

جہاں تک سیدہ ام سلمہؓ کی روایت کا تعلق ہے تو اس کی حقیقت یہ ہے کہ ایک ثابت نامی شخص ام سلمہ سے بیان کرتا ہے اور خود کو ام سلمہ کا مولیٰ ظاہر کرتا ہے لیکن اس بات کا کوئی ثبوت موجود نہیں کہ اس نام کا کوئی شخص ام سلمہؓ کا مولیٰ تھا۔

علاوہ ازیں ام سلمہؓ کی تمام مرویات مسند احمد میں موجود ہیں ان میں یہ روایت موجود نہیں ہے۔ البتہ حافظ ہیثمیؒ اور حافظ سیوطی نے حضرت ام سلمہؓ کی یہ روایت طبرانی کے حوالے سے نقل کی ہے لیکن ان دونوں نے اس کی سند ذکر نہیں کی۔ البتہ حافظ ہیثمی نے اتنا اشارہ ضرور کیا ہے کہ اس میں ایک راوی موسیٰ بن عبیدہ ضعیف ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۱۱ ج ۷) اس راوی کے ضعف پر ائمہ جرح و تعدیل کا اتفاق ہے۔ وہ لاشئ ہے۔ اس کی حدیث قابل حجت نہیں۔ اس نے بہت سی منکر روایات بیان کی ہیں۔ اس کی حدیث ہی نہ لکھی جائے۔ وہ منکر الحدیث ہے۔ اس سے روایت بیان کرنا جائز نہیں۔ (میزان الاعتدال ص ۲۱۳، ۴/ تھذیب التھذیب) دوسری موصول روایت جابر بن عبداللہ سے حافظ ہیثمی نے ہی طبرانی کے حوالے سے بیان کی ہے۔ جس میں ایک راوی عبداللہ بن عبدالقدوس ضعیف ہے۔ حافظ ہیثمی نے قد ضعفہ الجمھور کہہ کر اس کے ضعف کی صراحت کی ہے۔ یہ راوی بالاتفاق رافضی ہے۔ حافظ ذھبی لکھتے ہیں، کوفی رافضی"۔ امام احمد کے صاحبزادے عبداللہ کہتے ہیں کہ میں نے ابن معین سے اس راوی کے متعلق دریافت کیا تو انہوں نے کہا "لیس بشئ رافضی خبیث" امام ابو داؤد کہتے ہیں: ضعیف الحدیث یرمیٰ بالرفض" امام بخاری

لکھتے ہیں: یروی عن اقوام ضعاف " (میزان الاعتدال ص ۴۵۷/۲، تھذیب التھذیب ص ۳۰۳/۵)

تیسری روایت بھی حافظ ہیثمی نے طبرانی کے حوالے سے نقل کی ہے جس کا سلسلہ علقمہ بن ناجیہ صحابی تک پہنچایا گیا ہے اس کے متعلق بھی انہوں نے خود ہی وضاحت کی ہے کہ اس میں یعقوب بن حمید راوی ہے جس کو جمہور نے ضعیف کہا ہے۔ (مجمع الزوائد ص ۱۱۰ ج ۲، میزان الاعتدال ص ۴۵۱ ج ۴)

امام بخاری نے مختلف آیات اور سورتوں کی تفسیر سے متعلق روایات کو ایک طویل باب "کتاب التفسیر" میں جمع کیا ہے۔ اس "کتاب التفسیر" میں "تفسیر سورۃ حجرات" کے نام سے ایک مستقل باب بھی موجود ہے لیکن اس میں امام بخاری ابتدائی دو آیات کے متعلق تین روایات لائے ہیں۔ اگر آیت زیر بحث کے متعلق بھی انہیں کوئی صحیح روایت ملتی تو وہ ضرور اس عنوان کے تحت اسے درج کرتے مضمون نگار مسند احمد بن حنبل میں حضرت حارث بن ابی ضرارؓ کی زبانی ایک روایت کو سب سے زیادہ مسند قرار دینے کے بعد لکھتے ہیں کہ:

"اور طبری میں تو پورے سلسلہ ہائے اسناد موجود ہیں۔ نہ تو حضرت حارث بن ابی ضرار کی روایت میں کوئی شیعہ ہے اور نہ طبری کی کسی روایت میں۔ حافظ ابن کثیر جو شیعوں کے بارے میں کافی متشدد ہیں ان سے امید نہیں کی جا سکتی کہ وہ روافض کی ایجاد کردہ کوئی روایت اپنی تفسیر میں درج کر دیں گے۔ امام طبری پر جو بعض لوگ شیعیت کا الزام لگاتے ہیں وہ مہمل اور لغو ہے۔"

(قرآن نمبر ص ۸۲۶)

تفسیر ابن کثیر میں شامل بعض روایات کا مختصر تجزیہ پیچھے گذر چکا ہے جس میں یہ ثابت کیا گیا ہے کہ بعض راوی تقیناً رافضی اور شیعہ گذرے ہیں۔ موصوف نے ابن کثیر کے متعلق جو یہ کہا کہ "وہ شیعوں کے بارے میں کافی متشدد ہیں..... اس کی ایک واضح مثال خود ماہنامہ الاشرف کا یہ قرآن نمبر ہے جس میں ڈاکٹر سید رضوان ندوی کا مضمون شائع ہو گیا ہے۔ اب آئندہ کوئی وکیل صفائی یہ کہہ سکتا ہے کہ ماہنامہ الاشرف کے بانی اور ذمہ داران سبھی حضرت تھانویؒ کے عقیدت مند اور مسلک اہلسنت کے ترجمان ہیں بالخصوص مدیر مسؤل مولانا محمد اسلم شیخو پوری صاحب تو شیعوں کے بارے میں کافی متشدد ہیں جنہوں نے سپاہ صحابہ پاکستان کے بانی مولانا حق نواز جھنگوی شہید اور مولانا ضیاء الرحمن فاروقی شہید کو اپنے مضامین میں خوب خراج عقیدت پیش کیا ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ ان کی زیر ادارت رسالے میں ان کے تعارفی کلمات کے ساتھ کسی" تقیہ باز کا مضمون شائع ہو گیا ہو۔ موصوف کے زیر بحث مضمون کو بنظر انصاف پڑھنے والے راقم الحروف کے اس موقف کی ضرور تائید کریں گے۔

موصوف نے اس واقعہ کے رواۃ میں سیدنا عبداللہ بن عباس کا بھی ذکر کیا ہے اور کہا ہے کہ "طبری میں تو پورے سلسلہ ہائے اسناد موجود ہیں۔" تفسیر ابن جریر میں سیدنا عبداللہ بن عباسؓ کی روایت کی سند اس طرح بیان کی گئی ہے۔

"حدثنی محمد بن سعد قال ثنا ابی، حدثنی عمی قال حدثنی ابی عن ابیه عن ابن عباس".

اس سند سے اوّل تو یہ معلوم نہیں ہوتا کہ ابن سعد کا باپ کون ہے؟ اور باپ کا چچا کون ہے؟ پھر اس کے چچا کا باپ اور دادا کون ہے؟ گویا اس میں چار مجہول راوی ہیں۔ اسی لیئے محدث عصر الشیخ احمد شاکر مصری مرحوم نے اس سلسلہ سند کے متعلق کہا ہے" سند مسلسل بالضعفاء من اسرة واحدة" ایسی سند جس کے پورے سلسلہ سند میں ایک ہی خاندان کے ضعفاء جمع ہو گئے۔ (تفسیر طبری ص ۲۶۳ ج ۱۔ دارالمعارف مصر ۱۳۷۴ھ) مضمون نگار نے طبری، ابن کثیر، سید قطب اور سید مودودی کے تتبع میں مسند احمد کی روایت کو سب سے زیادہ مستند اور مفصل قرار دیا بڑے۔ اس روایت کو امام سیوطی نے "سند جید" اور ابن کثیر نے "احسن الطرق" کہا ہے۔ جس کا واضح مطلب یہ ہے کہ اس روایت کے دیگر تمام طرق ان کے نزدیک بھی ضعف سے خالی نہیں۔ مسند امام احمد میں اس کی سند اس طرح بیان کی گئی ہے"

"قال احمد حدثنا محمد بن سابق ثنا عیسیٰ بن دینار حدثنی انه سمع الحارث بن ضرار الحدیث".

اس سند میں ایک راوی محمد بن سابق تمیمی ہے جس کے متعلق ابو حاتم کہتے ہیں۔ یکتب حدیثه ولایحتج به". اس کی حدیث لکھ لی جائے لیکن وہ قابل حجت نہیں۔ ابن معین نے اسے ضعف کہا ہے۔ بعض لوگوں نے اسے رجال بخاری میں شامل کیا ہے۔ امام بخاری نے باب "قضاء الوصی دیون المیت" میں ایک روایت اس سے شک کے ساتھ بیان کی ہے۔ حدثنا محمد بن سابق اوالفضل بن یعقوب حدثنا شیبان" اگر یہاں محمد بن سابق ہی کو صحیح مان لیا جائے پھر بھی اس کے ضعف میں کوئی فرق نہیں پڑتا کیونکہ بخاری میں اس روایت کا متابع موجود ہے۔ کتاب المغازی باب "اذھمت طائفتان...." میں شیبان سے محمد بن سابق یا فضل بن یعقوب کی بجائے ایک اور راوی عبید اللہ بن موسیٰ بیان کرتا ہے گویا یہ ضعیف راوی مستقلاً بخاری کا راوی نہیں بلکہ متابعۃً ہے اور اگر اس کو رجال بخاری میں شامل کر لیا جائے تب بھی یہ ضروری نہیں کہ اس راوی کی دیگر روایات جو بخاری کے علاوہ دوسری کتابوں میں ہوں لازماً صحیح ہوں۔ حافظ ابن حجر لکھتے ہیں کہ

لایلزم من کون رجال الاسناد من رجال الصحیح ان یکون الحدیث الوارد به صحیحا... احتمال ان یکون فیه شذوذا وعلة."

(تھذیب التھذیب ص ۱۷۵ ج ۹) کسی راوی کا رجال بخاری میں ہونا اس بات کو مستلزم نہیں کہ اس کی دوسری روایات بھی صحیح ہوں۔ ممکن ہے کہ اس کی دوسری روایات میں شذوذ اور علت ہو۔ اس روایت کے دوسرے راوی کے متعلق شیخ الحدیث حضرت مولانا محمد اسحٰق صدیقی ندوی مرحوم کی تحقیق ملاحظہ ہو:

اس میں عیسیٰ بن دینار طبقہ سابعہ میں ہیں۔ یہ طبقہ صرف تبع تابعی افراد پر مشتمل ہے۔ اس میں تابعین داخل نہیں ہیں۔ یعنی اس طبقہ والوں نے کسی صحابی کی زیارت نہیں کی ہے۔ اس کا مطلب یہ ہوا کہ

عیسیٰ بن دینار نے حضرت حارثؓ کو جو صحابی ہیں نہیں دیکھا تھا اور یہ روایت منقطع ہے۔ عیسیٰ اور حضرت حارثؓ کے درمیان کوئی اور راوی بھی ہے جو مجہول ہے۔ حدثنا عیسیٰ بن دینار" کے بعد: حدثنی کا لفظ صاف طور پر کسی غیر مذکور راوی کی نشان دہی کر رہا ہے۔ اگر انہوں نے خود صحابی موصوف سے سنا ہوتا تو عبارت اس طرح ہوتی۔ "حدثنا عیسیٰ بن دینار انه سمع:.

دونوں کے بیچ میں "حدثنی" کا لفظ نہ ہوتا۔ عیسیٰ کا طبقہ سابعہ سے ہونا ہی ثبوت انقطاع کے لیے کافی تھا اس پر خود عبارت سند کی نشان دہی ثبوت مزید ہے۔ اب روایت کے منقطع ہونے میں کیا کلام رہا اور اصول حدیث کا مسلمہ مسئلہ ہے کہ منقطع روایت قابل قبول نہیں ہوتی۔ (اظہار حقیقت جلد اول ص ۲۷۲)

غرض اس روایت کے جتنے بھی طرق ہیں وہ سب معلول ہیں اور ضعیف اور مجہول راویوں سے مروی ہیں لہذا ایسی واہی روایات کی بناء پر ایک صحابی کو مطعون کرنا اہل رفض کا شیوہ نہیں تو اور کیا ہے؟

اس بحث کو امام نوویؒ کے ارشاد پر ختم کیا جاتا ہے:

فانا مامورون بحسن الظن بالصحابة ونفی کل رذیلة عنهم و اذا انسدت الطرق نبناالکذب الی الرواة... قال العلماء الاحادیث الواردة اللتی فی ظاهر هادخل علیٰ صحابی یجب تاویلیها قالو! ولایقع فی الروایات الثقات الامایمکنه تاویله" (شرح مسلم لانووی ج۲ ص ۰۹۰، ۲۷۸)

ہم صحابہ کے بارے میں حسن ظن اور ان سے ہر برائی کی نفی کرنے کے مکلف ہیں اور جب کسی سند سے اس کی راہ نہ ملے تو اس الزام کو ہم کذب راوی پر محمول کریں گے... علماء کا قول ہے کہ جن احادیث میں بظاہر کسی صحابی پر حرف آتا ہو تو اس کی تاویل واجب اور ضروری ہے اور انہوں نے کہا کہ صحیح روایات میں کوئی ایسی بات موجود نہیں جس کی تاویل نہ ہو سکتی ہو۔

درایتاً بھی یہ واقعہ غلط ہے کیونکہ فتح مکہ کے موقع پر جب سیدنا ولید بن عقبہؓ اپنے بھائی عمارہ بن عقبہؓ کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے تو ان کی عمر بہت چھوٹی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم انہیں اتنی اہم ذمہ داری کیوں کر سونپ سکتے تھے؟ شیخ القرآن مولانا غلام اللہ خان مرحوم لکھتے ہیں کہ "جن روایتوں میں ولید بن عقبہ کا نام مذکور ہے ان میں سے کوئی روایت بھی صحیح اور جراح سے خالی نہیں۔ وہ سب روایتیں منقطع ہیں۔ صحیح روایت سے ثابت ہے کہ فتح مکہ کے دن ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ خورد سالہ بچوں میں تبریک کی خاطر آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں پیش کئے گئے۔ آپ نے سب کے سروں پر ہاتھ پھیرا مگر ان کے سر پر ہاتھ نہیں پھیرا کیونکہ ان کے سر میں خلوص (ایک قسم کی خوشبو) لگی تھی اور وہ آپ کو ناپسند تھی۔ جو شخص فتح مکہ کے دن بچوں میں شامل ہے وہ چند ماہ بعد اس قابل کس طرح ہو گیا کہ اسے بنی مصطلق میں عامل بنا کر بھیج دیا گیا۔" (جواہر القرآن جلد سوم ص ۱۱۶۲)

یہ ملحوظ رہے کہ مذکورہ روایت مسند احمد ص ۴/۲۳۲ اور سنن ابی داؤد ۶ ۲/۵۷ پر خود سیدنا ولید بن عقبہ سے مروی ہے مضمون نگار اس روایت کے متعلق لکھتے ہیں کہ
''بقول حافظ ابن عبدالبر اندلسی یہ حدیث اس لئے غلط ہے کہ جس شخص کو فتح مکہ کے بعد حضور بنی مصطلق سے صدقات وصول کرنے بھیجیں وہ فتح مکہ کے وقت بچہ نہیں ہوسکتا۔ حافظ ابن حجر نے اس کے بعد اس روایت کی تکذیب یوں کی ہے کہ ولید بن عقبہ غزوہ بدر کے فوراً بعد اپنے چچا کا فدیہ لے کر مدینہ آئے تھے اور کوئی چھوٹا بچہ یہ کام نہیں کرسکتا پھر اس روایت کا ایک راوی بھی مجھول الحال ہے'' (قرآن نمبر ۱۳۱)
موصوف نے یہاں ابن حجر کی طرف ''تکذیب'' کی نسبت کرکے ناروا جسارت کی ہے۔ یہ ان پر ''ظالمانہ الزام'' ہے۔ انہوں نے تو مختلف روایات نقل کی ہیں اور کہیں بھی اس روایت کی تکذیب نہیں کی۔ حافظ ابن عبدالبر نے بھی ''کم عمری'' کے قول کو محض اس لئے رد کیا ہے کہ جو شخص فتح مکہ کے وقت بچہ ہوا سے آپ صدقات کی وصولی کے لئے نہیں بھیج سکتے۔ یہی مؤقف ہمارا ہے کہ سیدنا ولید چونکہ اس وقت صغیر السن تھے اس لئے انہیں بنی مصطلق کی طرف بھیجا ہی نہیں گیا تھا۔ جمہور علماء سیر نے صغیر السنی کا قول نقل کیا ہے۔ خود ابن عبدالبر نے یہ الفاظ لکھے ہیں۔ ''اسلم یوم الفتح۔ یومئذ کان قد ناھذ الاحتلام'' (استیاب مع الاصابہ ص ۳/۶۳۱)
موصوف نے صفیر السنی کے قول کی تغلیط میں دو وجوہات بیان کیں۔ اول یہ کہ روایت میں ایک روای ابوموسی مجھول ہے پھر اس پر خطیبانہ انداز اختیار کرتے ہوئے فیصلہ صادر کردیا کہ جس شخص کو آپ صدقات کی وصولی کے لئے بھیجیں وہ فتح مکہ کے وقت بچہ نہیں ہوسکتا۔ پھر اس پر مزید دلیل یہ قائم کی کہ ولید اپنے بھائی عمارہ کے ہمراہ اپنی بہن ام کلثوم کو واپس لانے کے لئے مدینہ آئے تھے۔ موصوف کا یہ استدلال غلط ہے۔ کیونکہ ابوموسی الھمدانی جسے مجھول بتایا گیا ہے اس کا اصل نام مالک بن الحارث ہے۔ اور جو مسند احمد اور ابی داؤد کی روایت میں آخری راوی ہے۔ ان کا اصل نام عبداللہ بن مالک بن الحارث ہے اور یہ محدثین کے نزدیک ثقہ ہیں۔ اور یہ جو کہا گیا ہے کہ ولید اپنی بہن کو واپس لانے کے لئے مدینہ گئے تھے۔ یہاں ابن عبدالبر نے سال کا ذکر نہیں کیا تاہم ابن اثیر، ابن حجر اور دیگر مؤرخین نے واضح طور پر ۷ ھ کا ذکر کیا ہے۔ بشرط صحت روایت اس سے بھی تو صرف یہ معلوم ہوتا ہے کہ سیدنا ولید اپنے بھائی عمارہ کے ساتھ مدینہ طیبہ تشریف لے گئے تھے۔ کیا چھوٹا بھائی بڑے بھائی کے ساتھ سفر نہیں کیا کرتا؟
مضمون نگار نے سیدنا ولید کی کم سنی کے قول کو جھٹلاتے ہوئے ابن حجر کے حوالے سے یہ بھی لکھا ہے کہ وہ غزوہ بدر کے فوراً بعد اپنے چچا کا فدیہ لے کر مدینہ گئے تھے۔ موصوف اگر ابن حجر کا ''ماخذ'' بھی بتا دیتے تو قارئین پر اس واقعہ کی حقیقت واضح ہوجاتی۔ ابن حجر اس کا ''ماخذ'' یوں بیان کرتے ہیں کہ ''حکاہ اصحاب المغازی'' الاصابہ مع الاستیعاب ۳/۶۳۸) اس قصہ کو اصحاب مغازی نے بیان کیا ہے۔ مفسرین کرام نے آیت زیر بحث کے تحت مختلف افراد اور مختلف واقعات کا ذکر کیا ہے۔ بعض نے سیدنا علی رضی

اللہ عنہ کا ذکر کیا ہے۔ بعض حضرات بغیر نام کے واقعہ بیان کرتے ہیں۔ بعض ولید کا نام بیان کرتے ہیں۔ اس طرح بعض روایات میں قبیلہ بنی مصطلق کا ذکر ہے۔ اور بعض میں "بنی و کیعہ" کا ذکر ہے (بیان القرآن از حضرت تھانوی) اسی طرح بعض حضرات نے ایک مختلف واقعہ کو آیت کا شان نزول قرار دیا ہے۔ جس میں یہ بتایا گیا ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ سیدہ ماریہ رضی اللہ عنہ کے پاس ان کا چچا زاد بھائی آیا کرتا تھا۔ آپ نے یہ خبر سن کر حضرت علی کو فرمایا "خذ ھذا السیف فان وجدتہ عندھا فاقتلہ" یہ تلوار پکڑو اگر وہ شخص ماریہ کے پاس مل جائے تو اسے قتل کر دو۔ جب حضرت علی علیہ السلام اسے قتل کرنے کے لئے وہاں پہنچے تو وہ بھاگ کر درخت پر چڑھ گیا اور اوندھا ہو گیا۔ حضرت علی نے واپس آ کر آپ کو بتایا کہ وہ شخص تو "مردوں والی" کوئی خصوصیت نہیں رکھتا۔ جس پر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا "الحمد للہ الذی یصرف عنا السوء اھل البیت" تمام تعریفیں اس اللہ کی کہ جس نے ہمارے اہل بیت سے ہر قسم کی برائی دور فرمائی (تفسیر مجمع البیان ص ۱۲۲/۵ تحت الآیۃ)

پھر جناب طبری نے اپنی مخصوص ذہنیت کے پیش نظر مزید ایک شوشہ چھوڑا جسے بعد کے مفسرین نے بھی نقل کر دیا کہ "بنی مصطلق اور ولید کے درمیان زمانہ جاہلیت سے عداوت چلی آ رہی تھی" یہ کیسی عداوت تھی؟ کن کے مابین تھی؟ سیدنا ولید کے ساتھ اس عداوت کا کیا تعلق؟ وہ تو فتح مکہ کے وقت صغیر السن تھے۔ اگر اس قصہ عداوت میں کوئی صداقت ہوتی تو سیدنا ولید اس وقت نبی اکرم صلی اللہ علیہ وسلم کو اس سے آگاہ کر دیتے جب انہیں اس کام کے لئے نامزد کیا گیا تھا۔ حیرت ہے کہ زمانہ جاہلیت کی قدیم عداوت کا خیال انہیں بنی مصطلق کے قریب پہنچ کر آیا۔

اس سلسلے میں سیدنا ولید بن عقبہ کا اپنا قول جسے امام احمد بن حنبل اور امام ابو داؤد نے صحیح سند کے ساتھ نقل کیا ہے دیگر تمام اقوال کے مقابلے میں زیادہ صحیح اور راجح ہے۔

مضمون نگار نے آیت زیر بحث کو سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کے واقعہ پر زبردستی چسپاں کرنے کی مذموم سعی کی ہے لیکن قابل غور بات یہ ہے کہ یہ واقعہ کب رونما ہوا؟

اس بات پر تو تمام ارباب تاریخ و سیر کا اتفاق ہے کہ سیدنا ولید ۸ ھ میں فتح مکہ کے موقع پر مشرف با سلام ہوئے۔ پھر ۹ ھ میں انہیں قبیلہ بنی مصطلق کی طرف صدقات کی وصولی کے لئے بھیجا گیا۔ اب سوال یہ ہے کہ قبیلہ بنی مصطلق نے کب اسلام قبول کیا؟ مضمون نگار لکھتے ہیں کہ "ان میں سب سے زیادہ مستند اور مفصل روایت مسند امام احمد بن حنبل میں حضرت حارث بن ابی ضرار کی زبانی ہے جو اس قصہ میں خود ایک فریق تھے۔ یہ قبیلہ بنی المصطلق کے سردار تھے اور انہوں نے اسلام لانے کے بعد اپنے قبیلہ میں اسلام پھیلایا اور ذمہ داری لی کہ وہی ان لوگوں سے زکوٰۃ وصول کر کے حکومت مدینہ کو ادا کر دیں گے۔ ان کے قول کے مطابق مدینہ منورہ سے زکوٰۃ کی وصولیابی کے لئے کسی کارندے کے آنے میں دیر ہوئی تو ان کو فکر ہوئی کہ شاید رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کی قوم سے ناراض ہیں اور انہوں نے ایک وفد کے ساتھ مدینہ جانے کی

تیاری کی۔ اس درمیان میں ولید بن عقبہ کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے بنی المصطلق سے زکواۃ وصدقات کی وصولیابی کے لئے بھیجا۔ لیکن یہ راستہ سے ہی واپس آ گئے۔ (قرآن نمبر ص ۱۲۶)

اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے کہ حارث بن ابی ضرار (والد ام المؤمنین سیدہ جویریہ رضی اللہ عنہا) نے اسلام قبول کرنے کے بعد اپنی قوم سے زکواۃ جمع کی پھر وہ آپ کے قاصد کے منتظر رہے جب وہ وقت مقررہ پر نہ پہنچے تو انہوں نے خود مدینہ جانے کی تیاری کی۔ حضرت حارث بن ابی ضرار کب اسلام لائے ملاحظہ فرمائیں:

حضرت حارث رضی اللہ عنہ غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق کے فوراً بعد مشرف با سلام ہوئے۔ مریسیع یا بنو خزاعہ قبیلہ کے ایک چشمہ کا نام ہے۔ اس غزوہ کو غزوہ بنی مصطلق بھی کہتے ہیں یہ خزیمہ بن سعد بن عمر کا لقب تھا۔ یہ کس سال میں وقوع پذیر ہوا۔ اس میں سیرت نگاروں کا اختلاف ہے۔ ابن اسحق نے جس کی پیروی طبری اور ابن ہشام نے کی ہے اس غزوہ کو ۶ ھ میں ذکر کیا ہے۔ امام بیہقی نے اپنی کتاب "دلائل النبوۃ" میں اس پر مفصل بحث کی ہے۔ عروہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کے نزدیک یہ غزوہ شعبان ۵ ھ میں ہوا۔ موسیٰ بن عقبہ ابن شہاب سے اپنی مغازی میں روایت کرتے ہیں کہ آپ نے بنو مصطلق کے ساتھ شعبان ۵ ھ میں جنگ کی۔ حضرت قتادہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ غزوہ مریسیع ہجرت کے پانچویں سال وقوع پذیر ہوا۔ واقدی کہتے ہیں کہ غزوہ مریسیع پانچ ہجری میں ہوا۔ (دلائل النبوۃ ۴۴۔ ۶ ۴/۴)

امام بخاری نے بھی صحیح میں اس اختلاف کا ذکر کیا ہے لیکن غلطی سے ۵ ھ کے بجائے موسیٰ بن عقبہ کی طرف ۴ ھ کی نسبت کی ہے۔ صاحب المواھب اللدنیہ نے پہلے قول کی توثیق کی ہے۔ علامہ ابن حجر نے فتح الباری میں بیہقی، حاکم، موسیٰ بن عقبہ اور ابو معشر کی روایتوں سے ۵ ھ کو ترجیح دی ہے۔ ابن سعد نے بھی ۵ ھ ہی لکھا ہے۔ صحیح قول یہ ہے کہ غزوہ مریسیع یا بنی مصطلق پانچ ہجری میں وقوع پذیر ہوا۔ اس غزوے میں اونٹ، بھیڑ، بکریوں کے علاوہ بہت سے مرد وزن بھی مسلمانوں کے ہاتھ آئے۔ ان قیدیوں میں قبیلہ بنو مصطلق کے سردار حارث رضی اللہ عنہ کی بیٹی جویریہ رضی اللہ عنہا بھی تھیں چند دن کے بعد حارث اپنی بیٹی کا فدیہ ادا کرنے کے لے اونٹ ہمراہ لائے۔ وادی عقیق میں ان اونٹوں پر نظر ڈالی تو ان میں سے دو اونٹ انہیں بہت پسند آئے جنہیں انہوں نے گھاٹی میں چھپا دیا۔ پھر بارگاہ رسالت میں حاضر ہو کر عرض کی یا محمد صلی اللہ علیہ وسلم۔ یہ اونٹ میری بیٹی کا فدیہ ہیں۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا وہ دو اونٹ کہاں ہیں جنہیں تونے وادی عقیق میں چھپا دیا تھا تو وہ بے ساختہ کہہ اٹھے "اشھد ان لا الہ اللہ وانک رسول اللہ" ان اونٹوں کے متعلق آپ کو اللہ نے آگاہ فرمایا ہے اور اپنے دو بیٹوں اور قوم کے بہت سے لوگوں کے ساتھ اسلام قبول کر لیا۔ اس کے بعد ابن حجر نے دوسری روایت کا ذکر کیا جس میں ان کے قبول اسلام کے بعد ولید بن عقبہ کا ان کی طرف بھیجے جانے اور سورۃ الحجرات کی زیر بحث آیت کے نزول کا ذکر ہے۔ جب کہ ابن عبدالبر نے استیعاب میں صرف پہلی روایت کا ذکر کیا ہے۔ ابن اثیر جذری نے بھی دونوں روایتوں کا ذکر

کیا ہے۔ (اسد الغابہ، الاصابہ مع الاستیعاب ۱/۲۸۱ تحت حارث بن ابی ضرار)

اس تفصیل سے یہ واضح ہو گیا ہے کہ حارث بن ابی ضرار ۵ھ میں اپنی قوم کے سر کردہ افراد کے ہمراہ مشرف باسلام ہوئے پھر واپس آ کر دیگر افراد میں اسلام کی تبلیغ کی جس پر سارا قبیلہ مسلمان ہو گیا۔ اس وقت سیدنا ولید نے اسلام قبول ہی نہیں کیا تھا۔ کیا چار سال تک حضرت حارثؓ ولیدؓ کا انتظار کرتے رہے؟ کیا اس دوران آپ نے صدقات کی وصولی کے لئے ان کے پاس کسی شخص کو نہیں بھیجا تھا؟ الغرض آیت زیر بحث کے تحت مضمون نگار کا سیدنا ولید سے متعلق بیان کردہ قصہ دروغ گو رواۃ اور دشمنان صحابہ کا وضع کردہ ہے۔ اور روایتاً اور درایتاً ہر اعتبار سے باطل اور آں محترم پر ناروا اتہام اور ظالمانہ افتراء ہے۔ فلعنۃ اللہ علی الکاذبین

حیرت ہے کہ کتب تفسیر وحدیث و تاریخ میں مذکورہ بالا حقائق کی موجودگی کے باوجود ڈاکٹر سید رضوان ندوی صاحب نے کس طرح ایک صحابی رسول کو آیت زیر بحث میں لفظ "فاسق" کا مخاطب قرار دے دیا۔

مضمون نگار اپنے اسی مضمون میں سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ پر شراب نوشی اور اسی حالت میں نماز پڑھانے کا الزام عائد کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

"مولانا اصلاحی صاحب وکیل صفائی بننے سے قبل ان ثقہ محدثین اور ائمہ علم کے ولید بن عقبہ کے بارے میں بیانات تو پڑھ لیتے ان میں سے نہ تو کوئی شیعہ تھا اور نہ بے سرو پا روایتیں لکھنے والا" پھر آگے چل کر لکھتے ہیں کہ "سو ولید بن عقبہ کا شراب خوری کا معاملہ بھی ایسے ہی Addiction یا مرض کی مثال ہے" (قرآن نمبر ص ۱۳۵، ۱۳۶) کاش کہ موصوف آں محترم پر یہ مکروہ الزام عائد کرتے وقت اپنے محبوب مفسر و مورخ طبری ہی سے رہنمائی حاصل کر لیتے۔ جنہوں نے اس الزام کو عداوت اور سازش کا شاخسانہ قرار دیا۔

آں محترم رضی اللہ عنہ کے خلاف شراب نوشی کی گواہی دینے والے اور سازش تیار کرنے والے دو شخص ابو زینب اور ابو مورّع ہیں۔ ان کے بیٹوں نے ایک شخص کے گھر نقب لگا کر اسے قتل کر دیا تھا۔ ایک صحابی رسول ابو شریح خزاعی رضی اللہ عنہ اور ان کے لڑکے نے قاتلوں کے خلاف گواہی دی۔ سیدنا ولید نے اس واقعہ سے حضرت عثمان کو آگاہ کیا تو انہوں نے نقب زنوں کے قتل کا حکم صادر فرما دیا۔ جس کی تعمیل کرتے ہوئے قاتلین کو قصاص میں قتل کر دیا گیا۔ یہاں سے عداوت کا آغاز ہوتا ہے۔ طبری لکھتے ہیں کہ "ان اباذینب واباموزع وجند باوھم یحقرون لہ مذ قتل ابناھم ویفعون لہ العیون ...... اجتمع نفر من اھل الکوفۃ فعملوا فی عمل الولید....." (طبری ۵/۶۰)

ابو زینب ابو مورّع اور جندب جب سے حضرت ولید نے قصاص میں ان کے بیٹے قتل کئے اس وقت سے وہ عیب جوئی کی مہم میں لگ گئے اور کسی طرح ان کی انگوٹھی چرانے میں کامیاب ہو گئے۔ جسے بعد میں انہوں نے حضرت عثمان کے سامنے بطور ثبوت پیش کیا۔ اس کے جواب میں سیدنا ولید نے حلف اٹھا کر اس الزام کا انکار کیا۔ اور اصل صورت حال سے آگاہ کیا لیکن چونکہ شہادتیں پیش ہو چکی تھیں اس لئے حضرت

عثمان رضی اللہ عنہ نے ان پر حد جاری کرنے کا حکم صادر فرمایا۔ ابن حجر العسقلانی لکھتے ہیں کہ "ان بعض اھل الکوفۃ لعصبوا علیہ فشھدوا علیہ بغیر الحق" بعض کوفی لوگوں نے ولید کے ساتھ تعصب کیا اور ان کے خلاف ناحق شہادت دی۔ (الاصابہ تحت الولید) شمس الدین سخاوی نے بھی یہی بات لکھی ہے۔ (فتح المغیث ۳/۱۰۴ تحت معرفۃ الصحابۃ)

مضمون نگار نے ابن عبدالبر کے حوالے سے نشے کی حالت میں نماز پڑھانے کا الزام بھی عائد کیا۔ اگر اس الزام کو صحیح مان لیا جائے تو پھر لازماً یہ بھی تسلیم کرنا پڑے گا کہ آں محترم کی اقتدا کرنے والے سارے نمازی شرابی تھے۔ کسی کو معلوم نہیں تھا کہ فجر کی نماز کی کتنی رکعتیں ہیں۔ یہی وجہ ہے کہ جب امام دو رکعت پڑھانے کے بعد تیسری رکعت کے لئے کھڑا ہو گیا پھر بھی کسی نے پیچھے سے لقمہ نہیں دیا حتیٰ کہ اس نے چار رکعات پڑھا دیں اور پھر نمازیوں کی طرف متوجہ ہو کر پوچھا کیا اور پڑھاؤں؟ اس واقعے کی صحت پر یقین کرنے والا کوئی پرلے درجے کا احمق یا کوئی بدترین دشمن صحابہ ہی ہو سکتا ہے۔

اگر کوئی ایسا واقعہ رونما ہوا ہوتا تو سارے نمازی ہی امام کے خلاف گواہی دیتے لیکن سازشیوں نے بمشکل دو گواہ تیار کئے جنہیں سے ایک نے شراب پینے کی اور دوسرے نے شراب کی قے کرنے کی گواہی دی۔ یہ ملحوظ رہے کہ ان جھوٹے گواہوں نے بھی شراب کی حالت میں نماز پڑھانے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔

مضمون کے آخر میں موصوف لکھتے ہیں کہ "پھر یہ کہ مولانا اصلاحی کے اس انکار سے تو حضرت عثمان پر زد پڑتی ہے کہ انہوں نے ایک بے گناہ فرد پر ۴۰ کوڑوں کی شراب خوری کی حد جاری کی۔ کیا مولانا موصوف کو خلیفہ راشد ثالث کے خلاف یہ ناروا الزام گوارہ ہے۔ جو عشرہ مبشرہ بالجنۃ سے بھی ہیں" (قرآن نمبر ۱۳۸) جن صحیح روایات میں حد جاری کرنے کا ذکر ہے ان سے کسی طور پر بھی آں محترم پر شراب خوری کا الزام سچا ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ یہ دو مختلف مسئلے ہیں۔ ایک یہ کہ دو گواہوں نے گواہی دی۔ جس کی بنیاد پر حد جاری کر دی گئی۔ دوسرا مسئلہ یہ ہے کہ فی الواقع گواہوں کا بیان صحیح تھا یا غلط؟ گواہ واقعہ کے لحاظ سے سچے تھے یا سازش کر کے انہوں نے جھوٹی گواہی دی؟ آں محترم رضی اللہ عنہ کا جرم حقیقت نفس الامری کے لحاظ سے ثابت تھا یا نہیں؟

موصوف کا یہ اعتراض واقعاتی اعتبار سے اپنے اندر کوئی وزن نہیں رکھتا کیونکہ یہ کوئی امر مستبعد یا محال نہیں۔ عین ممکن ہے کہ بعض موقعوں پر گواہ جھوٹے ہوں لیکن وہ عدالتی کارروائیوں کے ذریعے کسی طرح اپنے حق میں فیصلہ حاصل کر لیں۔ آئے روز اس کا مشاہدہ ہوتا رہتا ہے۔ اور یہ ایک مسلمہ اصول ہے کہ عدالت کو حقیقت کا علم ہونا ضروری نہیں بلکہ صرف وہ علم کافی ہے جو شہادتوں سے حاصل ہو"

سلف میں سے جس نے بھی سیدنا ولید کی برأت ظاہر کی ہے اس کی مراد یہی ہے کہ نفس الامر میں وہ اس جرم کے مرتکب نہیں ہوئے۔ کوفہ کے بدمعاشوں اور مفسدوں نے سازش اور جھوٹے گواہوں کے ذریعے

ان پر حد جاری کرائی۔ عدالتی ثبوت ایک الگ مسئلہ ہے اور اس الزام کا حقیقت ہونا ایک علیحدہ مسئلہ ہے۔ دونوں کو یک جا نہیں کیا جا سکتا۔ ایک بے گناہ کو گواہوں کے ذریعے سزا دلوائی جا سکتی ہے لیکن اس سزا سے کسی کا مجرم ہونا ہرگز ثابت نہیں ہوتا۔ کیونکہ قاضی مقدمہ کا فیصلہ ظاہری روئیداد کی بناء پر کرتا ہے نہ کہ اپنے علم کی بناء پر۔ صحیح بخاری اور صحیح مسلم میں خود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے منقول ہے کہ میں ظاہری شہادتوں کی بناء پر فیصلہ کرتا ہوں اگر واقعے کے لحاظ سے وہ فیصلہ صحیح نہیں ہے تو اس کا بوجھ اللہ کے نزدیک اسی شخص پر ہوگا جس نے فریب کاری سے ناحق کو حق ظاہر کیا ہے۔

سیدنا علی رضی اللہ عنہ نے ایک یہودی کے خلاف قاضی کی عدالت میں اپنی زرہ کے متعلق دعویٰ کیا لیکن قاضی صاحب نے حضرت علیؓ کے خلاف فیصلہ کیا۔ کیونکہ وہ شرعی شہادت پیش نہیں کر سکے تھے۔ کیا قاضی کوفہ حضرت علی علیہ السلام کی صداقت اور یہودی کے کذب سے آگاہ نہیں تھے؟ مگر وہ یہاں فیصلہ مقدمہ کی ظاہری روئیداد کے اعتبار سے کرنے پر مجبور ہوئے۔ سیدنا ولیدؓ کے واقعے میں بھی یہی ہوا کہ ابوزینب اور ابو مورّع جو اپنے بیٹوں کے قتل کا بدلہ لینا چاہتے تھے اس لئے انہوں نے یہ مکروہ سازش تیار کی اور ان محترم کو گورنری سے بھی معزول کرانے میں کامیاب ہو گئے۔

حضرت عثمانؓ نے آں محترم کے حلف کو اس لئے درخور اعتناء نہیں سمجھا کہ شہادت میں مدعیٰ علیہ کی گواہی کے بعد مدعی علیہ سے حلف نہیں لیا جاتا۔ صرف یہ وضاحت فرمائی کہ جھوٹے گواہ جہنم کا ایندھن بنیں گے۔

مضمون نگار کا مولانا اصلاحی پر غصہ صرف اس لئے ہے کہ انہوں نے سیدنا ولید رضی اللہ عنہ کا دفاع کیا۔ اسی لئے وہ بار بار لکھتے ہیں کہ افسوس ہے کہ مولانا اصلاحی نے ولید بن عقبہؓ کے دفاع کے بعد ...... ایسا معلوم ہوتا ہے کہ مولانا اصلاحی نے سورۃ حجرات کی اس آیت کی تفسیر کو ولید بن عقبہ کے دفاع کے لئے استعمال کیا ہے .... یہ کوئی مناسب طریقہ نہیں کہ اموی خاندان کے ایک ایسے فرد کے دفاع کے لئے جو فتح مکہ کے بعد مجبوراً اسلام لائے۔ ہم اپنے تمام علماء سلف کو مطعون کریں اور اپنے تمام ذخیرہ تفسیر میں شک پیدا کریں۔ یہ نہ تو علم کی کوئی خدمت ہے نہ اسلام کی" (قرآن نمبر ص ۱۲۷، ۱۳۴)

موصوف کی یہ بدبودار عبادت ان کے "بغض صحابہ" کی واضح دلیل ہے۔ سیدنا ولید بن عقبہ رضی اللہ عنہ کی صحابیت مسلمہ اور متفقہ ہے۔ ان کا تعلق کسی خاندان سے بھی کیوں نہ ہو ان کا دفاع ہر مومن پر فرض ہے۔ اور یہی علم اور اسلام کی عین خدمت ہے۔ موصوف کا پیش کردہ نظریہ نری ضلالت اور کفر ہے جس کا انجام یقیناً جہنم ہے۔ صحابہ کے بعد کے تمام اکابر و اعاظم کسی ادنیٰ صحابی کے نقش پا کے برابر بھی نہیں ہو سکتے اور اس پر پوری امت کا اجماع ہے۔ قرآن و حدیث میں صحابہ کرام رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین کی جو فضیلت و منقبت بیان ہوئی ہے۔ ان میں سیدنا ولید بھی یقیناً شامل ہیں۔ تمام اعلیٰ و ادنیٰ صحابہ کا فرق مراتب کے باوجود بحیثیت صحابی یکساں عزت و احترام کے ساتھ یاد کیا جانا اسلام کا مطلوب و مقصود ہے۔ پس کسی

بھی صحابی کے حق میں زبان طعن و تشنیع دراز کرنا ضلالت و ہلاکت میں مبتلا ہونا ہے۔

مضمون نگار نے سید مودودی، سید قطب اور ان جیسے اپنے اسلاف کے تتبع میں سیدنا ولیدؓ کے خلاف جو بے سروپا داستانیں سپرد قلم کی ہیں وہ نہ صرف شرم ناک ہیں بلکہ امت مسلمہ کی نہایت درجہ تابناک تاریخ کو داغ دار کرنے کی بھی افسوس ناک روش ہے۔ اس سے بھی زیادہ افسوس ماھنامہ الاشرف کے ذمہ داروں پر ہے جنہوں نے ایک صحابیٔ رسول اور خلفاء راشدین کے معتمد علیہ سیدنا ولید بن عقبہ کے خلاف اس مکروہ، مذموم اور مسموم مضمون کو "قرآن نمبر" جیسے عظیم اور مقدس سلسلے میں شائع کر کے امت مسلمہ کے جذبات مجروح کیے۔

اللہ تعالیٰ ہم سب کو ہدایت نصیب فرما کر قبائلی تعصب اور خاندانی عناد سے محفوظ فرمائے۔ صحابہ کرام بالخصوص سیدنا ولید بن عقبہ اور اس خاندان کے دیگر افراد (صحابہؓ) کے حق میں سوء ظنی اور بدگمانی سے بچا کر حسن ظن نصیب فرمائے۔ (آمین)

بقیہ از ص ۲۵

رہے ہیں۔ بالٹی مجھے دیں تا کہ میں بھی ثواب میں حصہ دار بن سکوں۔ میرا قادیانی آفیسر مجھے کہنے لگا کہ "صدیقی صاحب" یہ کام میں کروں گا۔ کیونکہ اس کام میں ایک راز پوشیدہ ہے۔ میں نے کہا کہ وہ کیا؟ میرے آفیسر کو مجھ پر بھرپور اعتماد ہو چکا تھا۔ اور وہ مجھے اپنا ہم عقیدہ خیال کرتا تھا۔ اس نے کہا کہ یہ جو سرکاری مسلمان ہیں ہمیں غیر مسلم بنا رہے ہیں چند سال کے بعد یہ آم کا پودا پھل دے گا۔ اس کے پھل میں اسٹیشن ماسٹر اپنا حق جمائے گا۔ پولیس والے اپنا حق۔ قلی اور درجہ چہارم تک کے ملازمین اپنا حق جتائیں گے۔ اور اس کے پھل کے سبب ان میں خوب جوتم پیزار ہو گی۔ ہم سکون سے ہوں گے یہ لڑتے رہیں گے بلکہ ہم ان کی لڑائی کو مزید ہوا دیں گے۔ سب انجینئر صدیقی صاحب نے بتایا کہ مجھے یہ بات سن کر ایک دم شاک سا لگا۔ میرے دل میں اسلام کی دبی ہوئی چنگاری بھڑک اٹھی۔ مسلمانوں میں انتشار کی سازشیں فوراً دماغ میں آ گئیں۔ مجھے بڑا غصہ آیا۔ آگے بڑھ کر میں نے غصہ میں آم کا پودا اکھاڑ پھینکا۔ اور اپنے قادیانی آفیسر اور قادیانیت کو بے بھاؤ کی سنا ڈالیں۔ اور کہہ دیا کہ تمہاری اس حرکت کا پول میں تمام اسٹیشن پر ابھی کھول دیتا ہوں۔ میرا قادیانی آفیسر دم دبا کر بھاگ نکلا اور خدا نے میرے اوپر کرم کیا۔ اس آفیسر سے بعد میں یہی ہوا کہ میرا تبادلہ ملتان سے بھکر کروا دیا۔ مگر میں خوش ہوں کہ میرا ایمان بچ گیا۔ اب آپ کی طرف سے کتابوں کا سیٹ ملنے کے بعد میں نے جو قادیانیت کا مطالعہ کیا تو میں یہ سوچتا ہوں کہ آج جو ملک میں افراتفری مچی ہوئی ہے اس میں کلیدی آسامیوں پر فائز قادیانی آفیسران کا پورا پورا ہاتھ ہے۔ اللہ تعالیٰ پاکستان کی حفاظت فرمائے۔ (آمین۔)

تحریر: محمد اورنگزیب اعوان

آغا شورش کاشمیریؒ

"شمع آزادی کا پروانہ خار زار سیاست کا آبلہ پا"

معروف عوامی شاعر حبیب جالب نے مجاہد ختم نبوت شورش کاشمیریؒ مرحوم کو ان اشعار میں خراج عقیدت پیش کیا۔

اک عمر لڑا ظلم سے تو بے سرو ساماں
پیدا کہاں آفاق میں تجھ سا جری انساں
انگریز کی اولاد سے بھی ہار نہ مانی
قائم رہی تازیست تیری شعلہ بیانی
لکھی ہوئی تاریخ میں ہے تیری کہانی
انگریز کے زنداں میں کٹی تیری جوانی
مرتے ہیں کہاں مر کے بھی تجھ جیسے قلندر
تو آج بھی زندہ ہے محمد ﷺ کے ثنا گر

زندگی کے وجود کو کائنات کے لامتناہی سلسلہ کے ساتھ جوڑنے والے لوگ قوموں کی تشکیل اور تعمیر میں بنیادی اینٹ کی حیثیت رکھتے ہیں۔ ان کی موجودگی کا احساس ان کے وجود کے ختم ہونے کے بعد بھی مستقل طور پر نظر آتا رہتا ہے۔ ان کی باتیں تاریخ کے ہر موڑ کی عکاسی کرتی ہیں۔ ان کا چہرہ تاریخ کا چراغ روشن کیئے رکھتا ہے۔ ایسے لوگ صرف قومی اور بین الاقوامی اثاثہ ہی نہیں ہوتے بلکہ نایاب خزانہ بھی ہوتے ہیں۔ ایسے ہی لوگوں کی فہرست میں آغا شورش کاشمیری مرحوم کا نام بھی نمایاں نظر آتا ہے۔ خطابت، صحافت اور شاعری و سیاست کے میدانوں میں اپنا لوہا منوانے والا شورش، کسی جاگیردار، وڈیرے اور سرمایہ دار کے خاندان کا چشم و چراغ نہیں تھا بلکہ وہ ایک ایسے قبیلے کا فرد تھا جو محنت پیہم کے بل بوتے پر زندگی کے کارواں کو رواں دواں کرنے کے قائل ہوتے ہیں۔ اس کا شمار ان لوگوں میں ہوتا ہے جو صرف یہ جانتے ہیں کہ

اپنا زمانہ آپ بناتے ہیں اہل دل
ہم وہ نہیں جن کو زمانہ بنا گیا

۱۴، اگست ۱۹۱۷ء میں جب پہلی جنگ عظیم اپنے عنفوان شباب پر تھی تو ہندوستان کے شہر امرتسر میں ڈار ذات سے تعلق رکھنے والے ایک غریب کشمیری گھرانے میں لڑکے کی ولادت ہوئی۔ والدین نے اس نومولود بچے کا نام عبدالکریم رکھا۔ یہ بچہ ابھی سن بلوغت کی سات یا آٹھ بہاروں سے لطف اندوز ہوا تھا کہ موت کے بے رحم پنجوں نے اس معصوم بچے کو ماں کی آغوش شفقت سے محروم کر دیا۔ والدہ کی ناگہانی وفات کے بعد عبدالکریم کی پرورش اور تعلیم و تربیت دادی صاحبہ کی زیر نگرانی ہوئی جو کہ صوم و صلواۃ کی پابند، انتہائی متقی اور پرہیز گار تھیں۔ اس خاندان نے ہجرت کر کے جب مستقل طور پر لاہور میں سکونت اختیار کی تو عبدالکریم کے والد محترم نظام الدین مرحوم نے اسے انار کلی بازار میں واقع دیو سماج ہائی سکول میں داخلہ دلا دیا۔ عبدالکریم نے جو بے پناہ شرمیلا اور کم گو مزاج کا حامل طالب علم تھا اپنی پوری توجہ حصول تعلیم کی جانب مرکوز رکھ کر اساتذہ سے اپنی ذہانت و فطانت کا لوہا منوالیا۔ اسی سکول سے میٹرک کا امتحان اعلیٰ نمبروں سے پاس کیا۔ بعد ازاں معاشی طور پر گھر کی روز بروز گرتی ہوئی صورتحال سے مجبور و بے بس ہو کر عبدالکریم مزید تعلیم حاصل کرنے کا سلسلہ تو قائم نہ رکھ سکا لیکن اپنی خداداد صلاحیتوں اور وسیع تر مطالعہ کی بنیاد پر اس نے وہ مقام حاصل کر لیا جس کے سامنے بڑی بڑی ڈگریاں رکھنے والے قابلیت کے لحاظ سے ہیچ نظر آتے تھے۔ عبدالکریم کے دادا جناب امیر بخش مرحوم، مولانا ظفر علی خان سے دلی عقیدت و انسیت کے باعث چونکہ مستقل طور پر اخبار ''زمیندار'' منگوایا کرتے تھے۔ عبدالکریم نے بھی بچپن ہی سے ''زمیندار'' کے باقاعدہ مطالعہ روزمرہ کی مصروفیات کا ایک حصہ بنا لیا تھا۔ طبیعت کا رجحان ابتدا ہی سے شعر و ادب کی طرف مائل ہوتا چلا گیا۔ شعر و ادب سے اس قلبی لگاؤ نے عبدالکریم کی پوشیدہ جبلی صلاحیتوں اور خوبیوں کو اجاگر کرنا شروع کر دیا اور پھر دیکھتے ہی دیکھتے بہت قلیل مدت میں اس نے علمی و ادبی دنیا میں شہرت و مقبولیت کا بلند مقام حاصل کر لیا اور اپنا تخلص ''الفت'' تجویز کر کے ایک نوجوان شاعر کی حیثیت سے عوام و خواص میں متعارف ہونے لگے۔ برصغیر کے ممتاز و نامور شاعر حضرت احسان دانش نے اس ابھرتے ہوئے نوجوان شاعر کی پرجوش اور ہنگامہ خیز صلاحیتوں سے متاثر ہو کر اس کا تخلص تبدیل کر کے ''الفت'' کی بجائے ''شورش'' رکھ دیا۔

امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد کے اخبار ''الہلال'' نے شورش کی سیاسی طور پر ذہنی و فکری نشوونما میں اہم کردار ادا کیا اور خطیب الامت امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری کی ولولہ انگیز اور بصیرت افروز خطابت نے اس جواں عزم اور سرفروش مجاہد کے دل و دماغ میں فرنگی سامراج کے خلاف نفرت و حقارت کوٹ کوٹ کر بھر دی تھی۔ مزاج میں آزادی کا عنصر اتنا زیادہ تھا کہ وہ اسیری اور پابندی کا ایک لمحہ بھی گوارا نہ کر سکتے تھے۔ وہ سیاست، خطابت، صحافت، انشاء، طنز و مزاح، سفر نامے، تاریخ، خاکہ نگاری، اداریہ نویسی، شاعری، ادبی معرکہ آرائی، کالم نگاری، خطوط نویسی، سوانح نگاری اور بے شمار اصناف ادب پر حاوی تھے۔ وہ برصغیر پاک و ہند میں عبقری انسان تھا جس کی ذات اس قدر کمالات و صفات کا آمیختہ تھی۔

آغا شورش کاشمیری نے اپنی مختصر عمر میں ۲۰ ہزار سے زائد مضامین، ۵ لاکھ سے زائد اشعار، ۱۳ کروڑ سے زیادہ الفاظ، ۶۰ ہزار سے زائد تقریریں، ۳۰ کتابیں، ۵۰ قلمی معرکے، ۳۰ قومی و ملی تحریکیں، اردو زبان کو ایک ہزار نئی اصطلاحات، ۲۰ ہزار سے زائد خوبصورت جملے، ۹۰۰ سے زائد انوکھی تشبیہات دیں۔ شورش کو یہ اعزاز بھی حاصل ہے کہ انہوں نے ۶۷ سال میں سے ۱۷ سال پس دیوار زنداں گذارے ہیں۔ انہوں نے اپنی خطابت کا آغاز مسجد شہید گنج کے واقعہ سے کیا۔ میدان خطابت میں انتہائی مختصر عرصہ میں ان کی شہرت کا سورج نصف النہار پر آ گیا۔ امام الہند مولانا ابوالکلام آزاد، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری مولانا ظفر علی خان اور نواب بہادر یار جنگ جیسے فن خطابت کے شہسواروں نے بھی ان کی خطابت اور شعلہ نوائی کا دل سے اعتراف کیا۔ یوں تو مجلس احرار اسلام کا ہر رہنما ہی بے مثال و باکمال عوامی خطیب تھا لیکن شورش کا انداز خطابت سب سے نرالا اور منفرد تھا۔ ان کی تقریر الفاظ کی تیزی، ترشی، روانی، ولولے اور آواز کے کڑک پن کی وجہ سے انتہائی شعلہ بار ہوتی تھی بلکہ انہیں کو یہ ملکہ بھی حاصل تھا کہ وہ اپنی پانچ چھے گھنٹے کی تقریر میں اس قدر روانی، جولانی اور الفاظ کی فراوانی کے ساتھ مسلسل بولتے رہتے۔ گویا الفاظ کا سیلاب تیز دھاری موجوں کی صورت میں آ گیا۔ مومفکر احرار چودھری افضل حق مرحوم نے شورش کی آتش بیانی کو اس طرح خراج تحسین پیش کیا کہ ''ہمارا خیال تھا خطابت صرف احرار ہی کا ورثہ ہے۔ اور ہم سے اس میدان میں کوئی آگے نہیں لیکن تم نے تو حد کر دی۔ ہم سے بھی چار قدم اور آگے نکل گئے۔'' امام المجاھدین بانیٔ احرار، بطل حریت، امیر شریعت سید عطاء اللہ شاہ بخاری نے شورش کو بادلوں کی طرح گرجتے اور بارش کی طرح برستے دیکھا تو فرط جذبات سے جھوم کر فرمانے لگے ''مطمئن ہوں کہ میرا بڑھاپا جوان ہو گیا ہے۔ میں برگد کا درخت تو نہیں کہ اس کے نیچے دوسرا کوئی اور پودا اگ ہی نہیں سکتا۔ شورش میری مراد ہے۔'' احرار کے پلیٹ فارم پر آ کر شورش نے اپنی سحر بیانی کے طفیل نہ صرف عوامی خطیب کی حیثیت سے شہرت و مقبولیت حاصل کی بلکہ پھر وہ فرنگی حکمرانوں کی نظروں میں بھی معتوب گردانے جانے لگے۔ عزیمت و استقامت کے اس کوہ بیکراں کی آتش فشاں تقریریں فرنگی استعمار کے ایوانوں کے لئے کڑکتی بجلی بن کر گرتی تھیں جن سے ان کے محلات کی بنیادیں تک لرز جاتی تھیں۔ فرنگی سرکار نے جذبۂ آزادی سے سرشار اس مرد حرّیت کو مرعوب کرنے کی خاطر نہایت انسانیت سوز اور سفاکانہ ہتھکنڈے استعمال کئے۔ فرنگی سرکار نے جیل کی کال کوٹھڑیوں میں مقیّد کر کے کاروان آزادی کے اس مجاہد کو جو ذہنی و جسمانی اذیتیں دیں ان کے تصور ہی سے دل لرز جاتا ہے اور روح کانپنے لگتی ہے۔ فرنگی حکومت نے کو آزادی کے ترانے گانے اور خواب غفلت میں محو غلام قوم کو بیدار کرنے سے باز رکھنے کے لئے تمام تر اوچھے حربے اور انسانیت سوز ہتھکنڈے استعمال کئے۔ شورش کو جیل کی جس تنگ و تاریک اور کال کوٹھڑی میں بند کیا جاتا کبھی ایسا بھی ہوا کہ پہلے اس میں پیشاب کیا گیا کہ اس کے تعفن سے بلند حوصلوں اور بیکراں ولولوں کا پیکر شورش ذہنی طور پر مفلوج ہو کے حکومت کے خلاف اپنی باغیانہ سرگرمیوں سے باز آ جائے۔ اس کے علاوہ قید

فرنگ کے دورانیہ میں تحریک آزادی کے اس عظیم مجاہد کے منہ پر گوبر کا توبرا تک باندھا گیا مگر تمام تر ظلم و ستم سہنے کے باوجود بھی اس مرد حریت کے پائے استقلال میں ذرہ برابر بھی لغزش نہ آئی۔

خالق کائنات نے شورش مرحوم کی ذات میں بہت سی خوبیوں اور صفات کو مجتمع کر دیا تھا وہ بیک وقت شعلہ بیاں مقرر، معجزرقم ادیب، قادر الکلام شاعر، کاروان سیاست کا سرفروش سپہ سالار، میدان صحافت کا بہادر شہسوار اور معرکہ ختم نبوت کی بے نیام تلوار تھا۔

آغا شورش کاشمیری......... ایک محب وطن پاکستانی تھے۔ ۱۹۶۵ء میں جذبہ جہاد کی بیداری کے سلسلہ میں ۶، ستمبر کی صبح کا نقشہ آغا صاحب مرحوم نے اپنی ایک تقریر میں یوں کھینچا۔

"۶، ستمبر کو ابھی سپیدہ سحر نمودار ہونے میں بہت وقت باقی تھا، مرغوں کی نیند بھی پوری نہ ہوئی تھی، لاہور کے جیالے بستروں پر کروٹیں بدل رہے تھے، رات کے سناٹے میں تاروں کی چھاؤں میں بزدل دشمن نے اچانک لاہور پر حملہ کر دیا اور خدا کی قسم دشمن کی گولہ باری سے لاہور کے درودیوار اس طرح کانپ رہے تھے جس طرح سیاہ رات میں گنہگار کا دل اور "اس بازار" کا آنچل کانپتا ہے۔ اور لاہور کی عورتیں اپنے ہاتھ اٹھا کر اشکبار آنکھوں سے دعائیں کر رہی تھیں۔ ان کی پلکوں پر جھلملاتے آنسو اندھیری راتوں میں خندق کے اندر ڈٹے ہوئے مجاہدوں کو ہمت مردانہ، جرأت رندانہ اور نعرۂ مستانہ عطا کر رہے تھے۔ شہید کی ماں عظیم ہے اس سے تعزیت نہ کرو۔ اسے دلاسہ نہ دو، اس کے آنسو نہ پونچھو، اس کی ہچکی نہ روکو۔

کہیں صبر کی نصیحت کہیں شکر کا بہانہ
تیرے آنسوؤں کی قیمت نہ چکا سکا زمانہ

آغا شورش مرحوم نے ساہیوال میں خطاب کرتے ہوئے کہا کہ .... "زندہ دلان ساہیوال کی ماؤں! میں تم سے ان بچوں کو مانگنے آیا ہوں جو میدان جنگ میں دشمن کے چھکے چھڑا دیں" .... اور کہا کہ...... بقولِ احسان دانش

اپنی اس تحریک میں ایسے اٹھاں گا شہید
جن کے مدفن کو زمینِ کربلا دینی پڑے
اتنا کردوں گا میں ماؤں کی محبت کو بلند
دل کے ٹکڑوں کو شہادت کی دعا دینی پڑے

شورش کاشمیری نے معاشرے کے ایک ایک ناسور کو شعر کے نشتر سے چاک کیا ہے۔ خود انہی کے بقول، "اس نے بادشاہوں پر قہقہے بھی لگائے ہیں اور حکمرانوں کے گریباں بھی پھاڑے ہیں۔ اس نے مجروح عصمتوں کی حفاظت کا علم بھی اٹھایا ہے اور شرعی برہمنوں اور مذہبی راہبوں کے پرخچے بھی اڑائے ہیں۔" ان تمام شورشوں کے باوجود ان کی شاعری میں اور پیغام میں تخریب نہیں تعمیر ہے۔ شعلے ہی نہیں شبنم بھی

موجود ہے، نوحے ہی نہیں نغمے بھی ہیں۔ کانٹے ہی نہیں پھولوں کا بھی وجود ہے۔ آغا شورش کاشمیریؒ نے آخری وصیت یہ کی۔

* میں چاہتا ہوں مرنے کے بعد مجھے وہ شخص غسل دے جس نے منبر و محراب کی عظمت کو داغدار نہ کیا ہو۔
* جو کبھی انگریزی فوج میں بھرتی ہو کر ملکہ معظمہ کی حکومت کے لئے لڑا نہ ہو۔
* جس کا اوڑھنا بچھونا صرف اسلام ہو۔
* مجھے وہ شخص کفن پہنائے جس کی غیرت نے کبھی کفن نہ پہنا ہو۔
* مجھے وہ اشخاص کندھا دیں جو ظلم و جبر کے خلاف لڑتے رہے ہوں۔ جن کے ہاتھوں میں ظلم و جبر کی بیخ کنی کے بعد اس ملک کے مستقبل کی عنان ہو۔
* میرا قلم اس شخص کو دیا جائے جو اس کو تیشہ کوہکن بنا سکے۔ جس کو لہو سے لکھنے کا سلیقہ آتا ہو۔
* مجھے وہاں دفن یا جائے جہاں گورکن قبر کی مٹی نہ فروخت کرتے ہوں۔
* مجھے وہ دوست لحد میں اتاریں جو دفنانے کے بعد بھول جانے والی تاریخی اداؤں سے واقف نہ ہوں۔
* کوئی حکمران میری قبر پر فاتحہ نہ پڑھ سکے۔ میری قبر پر ایک ہی کتبہ لکھا جائے۔

"یہاں وہ شخص دفن ہے جس کی زندگی تمام عمر عبرتوں کا مرقع رہی۔"

تحریک آزادی سے لیکر تحریک تحفظ ختم نبوت، تک قربانی و ایثار کا وہ کون سا نذرانہ تھا جو اس مرد مجاہد نے ملک و ملت کے لئے پیش نہ کیا ہو۔ آزادی سے قبل فرنگی سامراج اور قیام پاکستان کے بعد اسلام دشمن آمر حکمرانوں کے شورش مرحوم کو پابند سلاسل کرنے اور جیل میں جبر و ستم ڈھائے جانے سے حریت و جرأت کے اس رجل عظیم کو متعدد موذی امراض کا شکار بنا کے رکھ دیا تھا۔ مستقل علاج کے باوجود قافلہ احرار، کاروانِ آزادی اور تحریک تحفظ ختم نبوت کے اس سرفروش مجاہد کی صحت بحال نہ ہو سکی اور بالآخر ۲۵، اکتوبر ۱۹۷۵ء کی شب دل کا شدید دورہ پڑنے کے باعث اپنے دور کا عظیم مجاہد اپنے خالق حقیقی سے جاملا۔ انا للہ وانا الیہ راجعون

لاکھوں افراد کے ٹھاٹھیں مارتے ہوئے ماتم کناں سمندر نے آہ و فغاں کے شور میں دنیائے خطابت کے شعلہ بیاں خطیب اور چمنستان بخاری کے اس مہکتے ہوئے پھول کو لاہور کے تاریخی قبرستان میں "میانی صاحب" خلد آشیاں کر دیا۔

مرنے والے تجھے روئے گا زمانہ برسوں

شورش کاشمیری کا اپنے متعلق کتنا لازوال شعر ہے ....

ہمارے بعد کہاں یہ وفا کے ہنگامے
کوئی کہاں سے ہمارا جواب لائے گا

دین محمد فریدی بھکر

اور مرزائی سازش ناکام ہو گئی

تحفظ ختم نبوت کے سلسلہ میں میرا دائرہ کار آئینی رہا ہے یا نجی ملاقاتوں میں ہے۔ اس سلسلہ میں تین اہم مقدمات بھکر، میانوالی اور لاہور ہائیکورٹ میں زیر سماعت ہیں۔ نجی ملاقاتوں میں مخیر دوستوں کے تعاون سے قادیانیت کے متعلق اہم کتابیں خرید کر اپنے ضلع اور دوسرے اضلاع کے اہم مسلمان آفیسران پیش کر کے قادیانی تحریک سے پردہ اٹھاتا ہوں۔ انگریزی تعلیم یافتہ حضرات خود تو ان کتابوں کو خریدتے نہیں۔ البتہ تحفہ میں دی گئی کتب کا مطالعہ ضرور کرتے ہیں۔

احباب کو یاد ہوگا کہ ایک قادیانی کو ملتان میں ایک سٹی مجسٹریٹ نے اپنی عدالت کے سامنے اسلامی طریقہ پر نماز پڑھنے پر دفعہ 298C کے تحت گرفتار کروا کر ایک سال کی سزا سنائی وہ سٹی مجسٹریٹ بھکر رہ کر گیا تھا اور میں نے بار بار ملاقات میں شعائر اسلام کا تحفظ اور قادیانیوں کی قانون شکنی اور اسلام دشمنی کے واقعات ذہن نشین کرار کھے تھے۔ اس محنت کا نتیجہ تھا جو ملتان میں حاصل ہوا۔ اسی طرح بھکر ریلوے کے ایک سب انجینئر سے میرے تعلقات استوار ہوئے۔ میرا اکثر آنا جانا رہتا۔ اسے ریلوے کی جانب سے ایک کوٹھی ملی ہوئی تھی۔ اس میں پھل دار بوٹے بھی لگے ہوئے تھے ایک دفعہ آم کے موسم میں بعد از دوپہر اس کی کوٹھی پر بیٹھے چائے پی رہے تھے۔ ساتھ ہی آم کا درخت تھا جس پر بہترین قسم کے آم لگے ہوئے تھے۔ میں نے سب انجینئر صاحب سے پوچھا کہ اس کوٹھی میں بوٹوں پر جو پھل آتا ہے وہ صرف آپ کا حق ہے کہ محکمہ ریلوے کی آمدن میں شامل ہے؟ انجینئر صاحب کہنے لگے ایک بات یاد آگئی وہ آپ کو معلومات کے اضافہ کے لئے بیان کرتا ہوں کہ قادیانی کیسی چال چلتے ہیں۔ کہنے لگے کہ میری ملتان ڈیوٹی تھی۔ میرا اعلیٰ آفیسر قادیانی تھا۔ آپ جانتے ہیں کہ ترقی کے لئے آفیسران کی کیسی خوشامد کی جاتی ہے۔ میں صرف نام کا مسلمان تھا۔ اس قادیانی آفیسر کے قریب لگا رہتا تھا۔ وہ آفیسر مرزا غلام احمد کی سچائی اور قادیانیت کی حقانیت پر میرے سامنے سیر حاصل گفتگو کرتا رہتا تھا۔ بڑے اخلاق سے پیش آتا۔ میرے غلط کام کو بھی صحیح کر دیتا تھا۔ میں اس کے ساتھ کئی دفعہ ربوہ بھی گیا۔ حالات یہاں تک پہنچ گئے تھے کہ میں قادیانیت کو بالکل سچا ماننے لگ گیا تھا۔ قریب تھا کہ میں بیعت فارم پر کروں کہ اللہ تعالیٰ نے میری غائبانہ امداد کی اور میں قادیانیت کے گڑھے میں گرنے سے بچ گیا۔ ہوا یوں کہ موسم بہار کا تھا۔ شجر کاری کی مہم شروع تھی میں نے دیکھا کہ میرا قادیانی آفیسر ریلوے اسٹیشن کے گراونڈ میں آم کا پودا لگا کر اس کو پانی دے رہا ہے۔ میں عقیدت سے آگے بڑھا۔ میں نے ادب سے کہا کہ "سر" آپ بڑا نیکی کا کام کر رہے ہیں۔ کہ پھل دار پودا لگا

بقیہ ص ۶۲ پر

جند وڈا میراں پور (میلسی)

"جمہوریت کی تباہ کاریاں"

جس طرح اشتراکیت ایک باطل اور غاصبانہ نظام زندگی ہے بعینہ جمہوریت ایک کافرانہ، مشرکانہ اور ظالمانہ نظام ہے اس کا مطلب ہے کہ Govnment of the people By the people for the people (یعنی عوام کی حکومت عوام کیلئے اور عوام کے ذریعے) افلاطون کا بنایا ہوا یہ قانون جھوٹ پر مبنی ہے۔ جمہوریت میں انسانوں کو گنا تو جاتا ہے لیکن تولا نہیں جاتا۔ اور حکومت ان لوگوں کے ہاتھ آتی ہے جن کو ووٹروں کی پسندیدگی حاصل ہو۔ ظاہر بات ہے کہ ووٹر اپنے مفادات کو مد نظر رکھتے ہیں نظریہ کو نہیں۔ دنیا بھر میں اس نظام کے تجربات نے یہی ثابت کیا ہے کہ اکثریت اسی نظریہ کی حامل ہوتی ہے۔ یہی حال ہمارے ہاں بھی ہے کہ ہمارے ووٹروں کے ذریعے نہ تو صحیح العقیدہ وفکر کے افراد منتخب ہوئے ہیں اور نہ اسلامی نظام رائج ہوا۔ اس نظام کے ذریعے اقتدار ان کم ظرف لوگوں کو ملے گا جو مردم شماری میں تو مسلمان لکھے جاتے ہیں لیکن اعمال، اخلاق اور معاملات میں کہیں بھی مسلمان معلوم نہیں ہوتے۔ ان لوگوں کے ہاتھ میں اقتدار آنے سے تو اس بات کا پتہ چلتا ہے کہ ہم تو آج بھی اسی مقام پر کھڑے ہیں جس پر غیر مسلم حکومت میں تھے۔ اگر حکومت واقتدار ان لوگوں کے ہاتھ میں ہوگا جو کہ چور، لٹیرے اور وارداتیے ہیں اور اسلام کی ابجد سے بھی واقف نہیں تو پھر اس ملک کا اللہ ہی حافظ ہے۔

اسلامی انقلاب کے نفاذ کیلئے بہت بڑی قربانی کی ضرورت ہےاور یہ قربانی حسب روایت نچلے طبقے کے لوگوں نے ہی دینی ہے۔ خون شہیداں ہی رنگ لائے گا اور ان فرزندانِ جمہوریت کا غرور وتکبر خاک میں ملا دے گا۔ پاکستان کو معرض وجود میں آئے نصف صدی سے زائد عرصہ بیت چکا ہے۔ ماضی کے حکمرانوں سے لیکر مسٹر نواز شریف تک سب نے نفاذ شریعت کا ڈھونگ رچایا۔ اگر یہ صحیح معنوں میں اسلام کے نفاذ میں مخلص ہوتے تو پاکستان کب کا اسلام کا قلعہ بن گیا ہوتا۔ خلفائے راشدین کا نظام قائم ہوتا۔ ان فرنگی کے غلاموں نے اسلام کے ساتھ مذاق کیا اور زندگی کے ہر شعبہ میں اپنی خواہشات کو اسلام پر غالب کر دیا۔ اسلام پارلیمنٹ یا اسمبلی میں بل پیش کرنے سے نہیں آئے گا اور نہ ہی الیکشن جیسے غاصبانہ طریقے سے آئے گا۔ اقتدار وحکومت حاصل کرنے کا اصل طریقہ وہی ہے جو نبی آخرالزماں صلی اللہ علیہ وسلم نے بتایا ہے۔

حالیہ واپڈا آپریشن میں اپنے آپ کو جمہوریت کے علمبردار کہنے والے سیاستدان بجلی چوری کرتے پکڑے گئے ہیں۔ جب ان کو پکڑا گیا تو انہوں نے اسمبلی میں شور مچانا شروع کر دیا کہ فوج شریف اور باعزت لوگوں کی عزت نفس مجروح کر رہی ہے۔ اگر یہ لوگ شریف اور باعزت ہیں تو پھر اس ملک میں کوئی بھی چور، لٹیرا ستمگر، بدکار اور بے عزت نہیں ہے۔ چوروں، لٹیروں، اسلام اور وطن دشمنوں کی سرپرستی کرنے والے اسمبلیوں میں بیٹھے ہوئے ہیں اور دہشت گردوں کی پشت پناہی کر رہے ہیں۔ ان کو وسائل بہم پہنچا

رہے ہیں۔ کرپشن، لوٹ مار، چوری، ڈکیتی، شراب و شباب، رشوت خوری، اقربا پروری ان کے محبوب مشغلے ہیں اور وہ ان حرام کاموں کو حرام بھی نہیں سمجھتے۔

جتنی مسلم اکثریت اس ملک میں ہے ویسی ہی بلکہ عددی حیثیت سے بھی بہت زیادہ زبردست مسلم اکثریت افغانستان و سعودی عرب میں ہے۔ وہاں ان لوگوں کو وہ "پاکستان" حاصل ہے جس کا یہاں مطالبہ کیا جارہا ہے اور جس کی دیرینہ خواہش ہے۔ وہاں حقوق و فرائض کا پورا پورا خیال رکھا جاتا ہے اور کرپشن، چوری ڈکیتی، قتل وغارت، زناکاری، شراب نوشی جیسی اخلاقی بیماری کی کوئی نام و نشان بھی نہیں ہے۔ اس کیلئے وہاں کے لوگوں نے بے دریغ قربانیاں دی ہیں اور ان کی قربانیاں رنگ لائی ہیں۔ حق داروں کو انکا پورا پورا حق مل رہا ہے۔ کسی کے ساتھ ظلم و زیادتی نہیں ہوتی اور وہاں کے حکمران دیانتدار، شریف اور شریعت کے پابند ہیں ان میں احساس ذمہ داری ہے۔ اپنی خواہشات کو دین پر غالب نہیں کرتے بلکہ دین کو اپنی تمناؤں پر غالب کر دیتے ہیں۔

قیام پاکستان کے وقت مسلمانوں نے بے بہا قربانیاں دیں، ان کی جائیدادوں کو ضبط کرلیا گیا، قتل وغارت گری اور عصمت دری کا بازار گرم ہوا۔ محمد علی جناح پاکستان حاصل کرنے میں تو کامیاب ہو گئے اور تحریک پاکستان کی کامیابی کے باوجود اسلامی انقلاب کا خواب آج تک شرمندہ تعبیر نہ ہو سکا۔ رونا اس بات کا نہیں ہے کہ جو نہ صرف جاگے بلکہ دوسروں کو بھی جگانے کا عزم لیکر اٹھے تھے وہ بھی اس جمہوری قافلے میں شامل ہو گئے۔ برصغیر کے مسلمان غیروں کی غلامی سے نکل کر اپنوں کی غلامی کی زنجیر میں جکڑ دئیے گئے۔ انہوں نے نفاذ اسلام کیلئے جو خواب دیکھا تھا وہ پورا نہ ہوا اور چند ہزار نفوس پر مشتمل اس طبقہ نے کروڑوں افراد کو یرغمال بنا رکھا ہے۔

اگر آج کے حکمران سامراجیت (Imperialism) کے معبود کو ہٹا کر جمہوریت (Domocracy) کے معبود کو حکومت کے بت خانے میں سجا دیں تو مسلمانوں ۔ کے نزدیک اس کا کوئی فرق نہیں پڑتا اس کی مثال تو ایسے ہے کہ "لات" گیا اور "مناۃ" آ گیا۔ ایک جھوٹے خدا نے دوسرے جھوٹے خدا کی جگہ لے لی۔ باطل کی بندگی جیسے پہلے تھی اب بھی ویسی ہی رہی۔ اس میں تو کوئی تبدیلی نہ آسکی مسلمان انگریز سامراج کے شکنجے سے نکل کر جمہوریت کے شکنجے میں پھنس گئے۔ اس ملک کو قائم و دائم رکھنے کیلئے اس کا ایک ہی حل ہے کہ جمہوری نظام کا مکمل قلع قمع کر کے خالص اسلامی نورانی نظام رائج کیا جائے۔ اور اسمبلیوں میں گھسے ہوئے قومی لٹیروں سے بیرون ممالک منتقل کی گئی رقم واپس لائی جائے۔ اسلامی انقلاب ہر مسلمان کے دل کی دھڑکن ہے۔ تمام دینی جماعتیں جمہوری نظام کے خلاف اٹھ کھڑی ہوں اور اپنے سیاسی قبلہ کی سمت درست کریں۔ انشاء اللہ وہ وقت دور نہیں جب اس ملک میں مکمل اسلام کا نفاذ ہو گا۔ اللہ وہ دن ضرور دکھائے گا جب ہمارے ملک کی آمد ہمیں پر خرچ ہو گی۔ حکمرانوں پیشہ ور سیاستدانوں اور سیاسی جواریوں کے اللوں تللوں اور بسنتی برہمنوں پر خرچ نہ ہو گی۔ (آمین ثم آمین)

ابن امیر شریعت حضرت

پیر جی سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم کی مصروفیات

۱۱، فروری، مدرسہ معاذ ابن جبل بدھلہ روڈ ملتان میں خطاب

۱۲، فروری، دار بنی ہاشم ملتان میں خطبہ جمعہ

۱۳، ۱۴، فروری کو حاصل پور میں محترم حاجی محمد اشرف صاحب کی بیٹوں کی تقریب نکاح میں شرکت اور اصلاحی خطاب۔ علاوہ ازیں، گڑھا موڑ، چشتیاں اور بستی بخشن خان میں احباب و کارکنانِ احرار سے ملاقات۔

ماہ مارچ کی مصروفیات

۴، ۵، مارچ، دوروزہ شہداء ختم نبوت کانفرنس مسجد احرار چناب نگر

۹۔ مارچ آغاز سفر برائے علاقہ رحیم یار خان

۱۰۔ مارچ بستی چانڈیہ میں خطاب و ملاقات احباب

۱۱، مارچ بستی اسلام آباد۔ خطاب بعد از ظہر

۱۲، مارچ خطبہ جمعہ۔ مسجد ختم نبوت صادق آباد

۱۳، مارچ بسم اللہ پور۔ خطاب بعد العشاء

۱۴، مارچ بستی درخواست خطاب بعد از ظہر

سید محمد کفیل بخاری کی تبلیغی و تنظیمی مصروفیات

مدیر ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت سید محمد کفیل بخاری نے ماہِ فروری ۱۹۹۹ء میں درج ذیل مقامات پر تبلیغی اجتماعات سے خطاب کیا

۴، فروری بستی جھوک ونیس ملتان

۵، فروری دار بنی ہاشم میں اجتماع جمعہ سے خطاب

۱۶، فروری مسجد احرار، چناب نگر میں اہم مشاورت میں شرکت

۱۸، فروری مدرسہ معمورہ موضع چھینا (تحصیل میلسی) میں جناب محمد امیر صاحب کی دعوت پر اجتماع سے خطاب۔

مجلس احرارِ اسلام کے ناظم اعلیٰ حضرت مولانا محمد اسحٰق سلیمی مدظلہ بھی آپ کے ہمراہ تھے۔ آپ نے بھی اجتماع سے خطاب فرمایا۔

۱۹، فروری کو دارِ بنی ہاشم ملتان میں اجتماع جمعہ سے خطاب

۲۴، فروری کو تحصیل تونسہ کے چار روزہ تبلیغی و تنظیمی دورہ پر روانہ ہوئے اور رات بستی پیہڑ میں قیام کیا۔
۲۵، فروری کو بعد از ظہر مٹھے والی میں خطاب اور بعد العشاء وھوا میں خطاب
۲۵، فروری کو مدرسہ معراج العلوم ٹبی قیصرانی میں مولانا غلام فرید صاحب کی دعوت پر اجتماع جمعہ سے خطاب
۲۷، فروری کو قبل از ظہر مسجد عید گاہ کوٹ قیصرانی میں اجتماع سے خطاب۔ اس اجتماع کے داعی و منتظم مولانا قاری محمد اسمعیل صاحب تھے۔

ان تمام اجتماعات کے اصل محرک مجلس احرار اسلام تونسہ کے کارکن حافظ محمد لقمان تھے۔ ان کی محنت و توجہ سے تحصیل تونسہ کے مختلف مقامات پر مجلس احرار اسلام کی شاخیں قائم ہو چکی ہیں۔

نوٹ:۔ ۷، مارچ بروز اتوار بھری چراغ شاہ ضلع بھکر میں صوفی غلام اکبر صاحب کی دعوت پر جلسہ سے خطاب فرمائیں گے۔

ابن شریعت، حضرت پیر جی
سید عطاء المہیمن بخاری دامت برکاتہم

۱۲، مارچ ۱۹۹۹ء
کو مدرسہ ختم نبوت مسجد ختم نبوت
شہزاد کالونی۔ صادق آباد
میں اجتماع جمعہ میں خطاب فرمائیں گے

اور کارکنان احرار سے ملاقات کر کے تنظیمی امور پر گفتگو کریں گے۔

نوٹ: مدرسہ ختم نبوت صادق آباد میں وفاق المدارس الاحرار کے امیر حضرت مولانا سید عطاء المحسن بخاری مدظلہ نے انتہائی قابل مدرس جناب حافظ رضا محمد صاحب کا بطور مدرس تقرر کر دیا ہے۔ گزشتہ تین ماہ سے مدرسہ میں قرآن کریم کے حفظ و ناظرہ کی معیاری تعلیم جاری ہے۔

احباب و معاونین محترم حافظ رضا محمد صاحب سے بھرپور تعاون فرمائیں۔ مدرسہ کیلئے عطیات، زکواۃ و صدقات اور عیدالاضحیٰ کے موقع پر چرم قربانی عنایت فرما کر ان سے رسید حاصل کریں۔

ناظم وفاق المدارس الاحرار پاکستان۔ دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

ربوہ کا نام "چناب نگر" رکھنے پر

مجلس احرارِ اسلام کی جانب سے امت مسلمہ کو مبارکباد

مجلس احرار اسلام سندھ کے رہنماؤں نے ربوہ کا نیا نام "چناب نگر" رکھنے پر امت مسلمہ کو مبارکباد دیتے ہوئے حکومتی فیصلے کو سراہا ہے۔ انہوں نے کہا کہ چناب نگر مجلس احرار اسلام پاکستان کا تجویز کردہ نام ہے، پنجاب حکومت نے سرکاری طور پر اس نام کا سرکلر جاری کر کے مسلمانوں کا ایک دیرینہ مذہبی مطالبہ پورا کر دیا ہے۔ اس ضمن میں مجلس احرار اسلام کے رہنماؤں سید سجاد حسین لاڑکانہ، ڈاکٹر صلاح الدین شکار پور، اکرام اللہ خان حیدر آباد، ڈاکٹر بادی بخش سکھر اور کراچی سے شفیع الرحمٰن احرار، مولانا چراغ الاسلام، ڈاکٹر ذیشان فیصل، قاری علی شیر قادری، ناظم نشر واشاعت محمود احمد، مولانا عبدالصمد احرار، ابو معاویہ عبید الرحمٰن اور مولانا احتشام الحق معاویہ نے مشترکہ بیان میں ربوہ کا نام تبدیل کر کے "چناب نگر" رکھے جانے پر مجلس احرار اسلام پاکستان کے امیر و قائد ابن امیر شریعت السید عطاء المحسن بخاری اور مجلس تحفظ ختم نبوت کے امیر حضرت خواجہ خان محمد صاحب اور مولانا منظور احمد چنیوٹی کو خراجِ تحسین پیش کیا ہے جن کی قیادت میں اور کوششوں سے ربوہ کا نام تبدیل ہوا۔

مفکر اسلام مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کے لئے

متحدہ عرب امارات کا انٹرنیشنل قرآن ایوارڈ

مولانا نے دس لاکھ درہم بھارت کے دینی مدارس کے لئے وقف کر دیئے۔

متحدہ عرب امارت کی وزارت اسلامی نے عالم اسلام کی معروف شخصیت، نامور عالم دین اور سینکڑوں کتابوں کے مصنف مولانا سید ابوالحسن علی ندوی کو ان کی گراں قدر دینی خدمات کے اعتراف میں عالمی ایوارڈ دینے کا اعلان کیا ہے۔ دبئی کے ولی عہد نے گزشتہ دنوں خود بھارت جا کر مولانا ندوی کو انٹر نیشنل قرآن ایوارڈ اور انعامی رقم دس لاکھ درہم پیش کئے۔ خلیج ٹائم کی تازہ اشاعت کے مطابق مولانا ابوالحسن علی ندوی نے گزشتہ کئی دہائیوں کے دوران برصغیر پاک وہند میں اسلام کی خدمت کی ہے جس کے باعث دنیا بھر میں ان کا نام جانا پہچانا جاتا ہے اور وہ تمام دنیا کے مسلمانوں کے لئے ایک بزرگ رہنما کی حیثیت رکھتے ہیں۔ اخبار کے مطابق انہی خدمات کے عوض 1990ء میں مولانا ندوی کو سعودی عرب کا شاہ فیصل انٹر نیشنل ایوارڈ دیا گیا تھا تاہم فیصل ایوارڈ کے ساتھ ملنے والی لاکھوں ریال کی خطیر رقم مولانا نے افغانستان کے مجاہدین کے لئے عطیہ کے طور پر دے دی تھی جو اُس وقت روس سے برسرپیکار تھے۔ گزشتہ روز بھی جب ایک پروقار تقریب میں مولانا ندوی کو دبئی کے ولی عہد نے ایوارڈ اور انعامی رقم دی تو انہوں نے اسی وقت اس رقم کو ہندوستان کے دینی اداروں کے لئے وقف کرنے کا اعلان کیا۔ ("الہلال" اسلام آباد)

حسنِ انتقاد

تبصرہ کے لئے دو کتابوں کا آنا ضروری ہے۔

"بیس (۲۰) مردانِ حق"

دو ہزار صفحات پر مشتمل، دو ضخیم جلدوں میں، کتاب "بیس مردانِ حق" میرے سامنے ہے۔ اگر اسے عام کتابی سائز میں اور ذرا جلی کتابت میں چھاپا جاتا تو یقیناً اس کی پانچ چھے جلدیں بنتیں۔ یوں بھی، یہ کوئی ایک کتاب تو ہے نہیں۔ اسے تو بیس کتابوں کا خلاصہ سمجھئے بلکہ اس سے بڑھ کر.... گنجینۂ معنی کا طلسم اس کو سمجھئے۔

کتاب کا افتتاحی باب، جسے مؤلف محترم نے "فتح باب" کا عنوان دیا ہے..... ان الفاظ سے شروع ہوتا ہے کہ......

"برصغیر پاک و ہند میں علم حدیث گو اسلام، صحابہ اور مسلمانوں کی آمد کے ساتھ ہی آگیا تھا لیکن اس کی صحیح خدمت و اشاعت کا دور حضرت مجدد الف ثانیؒ، حضرت شاہ عبدالحق محدث دہلویؒ اور امام المحدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ اور ان کے خاندان کا دور ہے۔ حضرت شاہ ولی اللہ دہلوی نے حجاز جا کر حضرت شیخ ابو طاہر مدنیؒ سے حدیث پڑھی اور اجازت لی۔ ہمارے برصغیر کے تمام مدارس میں یہی سند معروف و مشہور ہے اور ترمذی شریف کے شروع میں مذکور ہے۔ اس کے بعد اس (سلسلے) کو آگے بڑھانے، اس کی وسیع تر اشاعت اور کتب و احادیث کی شروح لکھنے کا سہرا الامام المحدث کے معنوی فرزندوں..... اکابر دارالعلوم (دیوبند)..... کے سر ہے۔ آسام سے لے کر خیبر تک، اور ہمالیہ سے لے کر راس کماری تک شاید ہی کوئی تحا نہ کوئی ذیل ایسی ہو کہ جس کے دیہات میں دارالعلوم دیوبند، مظاہر العلوم سہارنپور اور (جامعہ اسلامیہ) ڈابھیل کا کوئی فیض یافتہ عالم کام نہ کر رہا ہو۔ گزشتہ ڈیڑھ صدی میں، ان مراکز کے فیض یافتگان نے حدیث شریف پر جتنا کام کیا، برصغیر کیا، عالم اسلام میں کسی اور نے نہ کیا ہو گا۔"

اس کتاب کے مؤلف کے قلم کی اٹھان ایسی ہی ہے۔ اردو دینیات کے قارئین کے لیے "بیس بڑے مسلمان" نامی کتاب یا اس کے مؤلف جناب عبدالرشید ارشد (زید مجدہ) قطعاً اجنبی نہیں ہیں۔ "بیس مردان حق"..... بیس بڑے مسلمان" کا ہی تسلسل ہے۔ فنا فی اللہ اور فنا فی الرسول لوگ کون تھے؟ کیسے تھے؟ کب تھے؟ کہاں تھے؟ کیا گزشتہ ڈیڑھ دو سو سال کی ہند اسلامی تاریخ میں اس کا کوئی جواب موجود ہے؟ یقیناً موجود ہے۔ آپ اس خطے میں گھوم جائیے تو قدم قدم پر یہ جواب آپ کو ملے گا۔ مزارات و مقابر یا تذکار و تواریخ

کی شکل میں نہیں بلکہ دعوت و ارشاد، تربیت و تزکیہ، تعلیم و تدریس اور عزیمت و جہاد کی محنت میں مصروف مراکز کی شکل میں! ہمارے دور و نزدیک اور ارد گرد کی جتنی بھی آبادیاں ہیں اور ان میں خدا کے آخری الہامی دین کی جتنی بھی برکتیں اور سچے آفاقی تمدن کی جتنی بھی رونقیں ہیں وہ انہی مراکز کی محنت کا ثمرہ ہیں۔ وہ مراکز جو فنافی اللہ اور فنافی الرسول لوگوں کی محنت کا ثمرہ ہیں۔ وہ کون لوگ تھے؟ یہ وہی مفسرین و محدثین، مبلغین و مجاہدین، متکلمین و مناظرین اور فقہاء و صوفیاء تھے کہ جنہیں "بیس مردان حق" کے فاضل مؤلف نے امام المحدث شاہ ولی اللہ دہلویؒ کے معنوی فرزندوں کا نام دیا ہے۔

سندھ کے قادری راشدی بزرگوں اور ان کی خانقاہوں.... پیر گوٹھ پگارہ، سوئی شریف، بھر چونڈی شریف، پیر گوٹھ جھنڈا، دین پور شریف، امروٹ شریف وغیرہ..... کے متعلق مؤلف محترم نے کتنا صحیح لکھا ہے کہ یہ خانقاہیں روحانی مراکز بھی تھیں اور جہادی قلعے بھی۔ بھر چونڈی شریف کے حضرت حافظ محمد صدیقؒ اور ان کے مرشد، سوئی شریف کے حضرت سید حسن شاہ جیلانیؒ کے تذکرے میں یہ کچھ باتیں ایسی ہیں کہ ضرور پڑھی جانی چاہییں۔ مؤلف لکھتے ہیں..........

> "سید العارفین (حافظ محمد صدیقؒ)، جیلانی سائیں اور آپ کے بعد بھورل سائیں (میاں محمد حسین) کے زمانہ تک سوئی شریف میں آمد و رفت اور صحبت رکھتے رہے۔ بھورل سائیں کے وصال کے بعد سوئی شریف کی مسند ارشاد خالی ہوئی تو تمام جماعت کی نگاہیں سید العارفین کی طرف تھیں کہ انہیں مسند شیخ پر بٹھایا جائے۔ آپ نے مناسب نہ سمجھا اور سانوں سائیں (میاں ابوبکرؒ) کی جوتیاں سیدھی کر کے رکھ دیں، جس سے تمام جماعت کا رخ ان کی طرف ہو گیا اور وہی مسند نشین ہوئے۔ سید العارفین کا جیلانی سائیں کی حیات مبارکہ سے دستور تھا کہ رمضان المبارک میں بھر چونڈی شریف میں روزہ افطار کر کے، روزانہ پانچ میل پیدل چل کر، سوئی شریف پہنچتے، نماز تراویح میں قرآن مجید سناتے اور پھر گھر واپس آتے۔ اس طرح روزانہ دس میل پیدل آتے جاتے۔ یہ معمول بھورل سائیں کے زمانہ تک برابر جاری رہا۔ سانول سائیں کے زمانہ میں، سوئی شریف کی مسجد کی پختہ تعمیر ہوئی تو سید العارفین ہر شب پیدل خفیہ جا کر، چپکے سے گارا تیار کرتے، اینٹیں ڈھو کر بنیادوں کے قریب ڈھیر لگاتے اور پھر فقراء کے لیے وضو کے پانی کے کوزے بھر کر واپس بھر چونڈی چلے آتے۔ سویرے جب فقراء اٹھ کر دیکھتے تو تعمیر کا تمام سامان تیار حالت میں ان کو ملتا۔ وہ حیران رہ جاتے۔ ایک دن جیلانی سائیں کے زمانہ کی ایک پرانی باخدا فقیرنی مائی بوڑھی نے سانول سائیں سے ذکر کیا تو آپ نے فرمایا۔-- اماں، اس چور کو پکڑو۔ دیکھیں تو کون ہے؟ چنانچہ دوسری رات مائی بوڑھی جاگتی رہی۔ حسب معمول سید العارفین چپکے چپکے آئے۔ پہلے وضو فرمایا اور پھر اپنے کام میں جت گئے۔ تمام کام کر کے فارغ ہوئے تو مائی بوڑھی اچانک قریب جا کھڑی ہوئی اور پوچھا بیٹا! حافظ ہو؟ آپ خاموش رہے تو مائی بوڑھی نے کہا، حافظ! سوئی شریف کی

تمام آگ اور انگارے تو تُو پہلے سمیٹ کر لے گیا ہے۔ اب راکھ میں کچھ چنگاریاں رہ گئی تھیں، وہ بھی لے جا رہے ہو؟ ایک دفعہ اسی مائی بوڑھی نے سید العارفین سے کہا، حافظ! مجھے لوگ وہابی کہتے ہیں۔ حضرت نے جواب دیا، ہاں امڑ مائی! تیرے مرشد کو بھی تو لوگ وہابی کہتے تھے۔ سید العارفین اپنے مرشد اور دادا مرشد کی طرح شرک و بدعت، رسم و رواج اور خلاف شرع امور کے سخت مخالف تھے۔ جماعت متعلقین میں کوئی خلاف شرع امر برداشت نہیں کرتے تھے۔ اس بارے میں اس قدر متشدد تھے کہ اپنے مرشد کے مسند نشین سانول سائیں (جن کی آپ جوتیاں سیدھی کرتے اور جنہیں پنکھا جھلتے تھے) کے صاحبزادے میاں عبدالمجید کی شادی سے اس لیے ناراض ہو کر اٹھ کر چلے آئے کہ اندرون حویلی میں سے آپ کے کان تک عورتوں کے سہرے گانے کی آواز پڑ گئی تھی۔ سانول سائیں اور قدیم فقراء کی منت وسماجت پر راستے میں سے واپس آ گئے۔ سہرگانے بند کروا دیے گئے۔ میاں عبدالمجید کا زری سے کڑھا ہوا کرتہ پھاڑ کر آپ نے اپنا درویشانہ جبہ بنایا۔ شادی کے اونٹ کو جھیروں اور گھنگھروؤں سے سجایا سنوارا گیا تھا۔ آپ نے اس کے گھنگھرو اتار کر توڑ دیے۔ آپ کے متعلقین کے تقویٰ کا یہ عالم تھا کہ جس کنویں سے منسلک زمین پر تمباکو کاشت کیا گیا ہوتا تھا، اس پر یہ حضرات وضو نہیں کرتے تھے اور جس شادی پر ڈھول تماشے ہوئے تھے اس میں شرکت تو کجا، وہ وہاں کا کھانا بھی نہیں کھاتے تھے۔"

سوئی شریف کی بوڑھی اماں نے سید العارفین سے جس آگ، جن انگاروں اور جن چنگاریوں کا ذکر کیا تھا، یہ کتاب اسی آگ، انہی انگاروں اور انہی چنگاریوں کے حامل "بیس مردان حق" کی زندگیوں کے احوال کا تفصیلی احاطہ کرتی ہے۔

مولانا رحمت اللہ کیرانوی، مولانا سید محمد علی مونگیری، مولانا خلیل احمد سہارن پوری، خلیفہ غلام محمد دین پوری، مولانا ابو السعد احمد خان، مولانا محمد عبداللہ سلیم پوری، مولانا حبیب الرحمٰن لدھیانوی، مولانا محمد یوسف دہلوی، مولانا سید محمد بدر عالم میرٹھی، مولانا عبدالرحمٰن کامل پوری، مولانا خیر محمد جالندھری، مولانا محمد علی جالندھری، مولانا محمد شفیع دیوبندی، مولانا سید محمد یوسف بنوری، مولانا مفتی محمود، مولانا غلام اللہ خان، مولانا غلام غوث ہزاروی، مولانا محمد زکریا مہاجر مدنی، مولانا قاری محمد طیب قاسمی اور مولانا عبدالحق (اکوڑہ خٹک) (رحمۃ اللہ علیہم اجمعین)......کے احوال و آثار اور سوانح و افکار پر مشتمل یہ کتاب مکتبہ رشیدیہ، ۲۵۔ لوئر مال لاہور سے شائع ہوئی ہے۔

مؤلف کتاب مولانا حافظ عبدالرشید ارشد (زید مجدہ) کی عمر اس وقت چھیاسٹھ سال سے متجاوز ہے۔ اس عمر میں یہ محنت قابل داد ہی نہیں قابل رشک ہے۔ کتاب میں بعض تسامحات و اغلاط بھی ہیں جن میں کہیں مؤلف سے اور کہیں کاتب سے سہو ہوا ہے۔ مثلاً ص ۱۹۵ پر "شجرۂ سعدیہ معلیٰ" کی ذیل میں جتنی بھی تواریخ رحلت درج ہیں..... اکثر و بیشتر صحیح نہیں ہیں.....

ادارہ

مسافرانِ آخرت

حضرت حافظ حکیم محمد حنیف اللہ رحمۃ اللہ علیہ

حضرت امیر شریعت رحمۃ اللہ علیہ کے معالج، حضرت حکیم عطاء اللہ خان رحمۃ اللہ علیہ کے فرزندِ ارجمند اور خاندانِ امیر شریعت کے محسن حضرت حافظ حکیم محمد حنیف اللہ ۱۸، شوال ۱۴۱۹ھ مطابق ۶، فروری ۱۹۹۹ء، بروز ہفتہ صبح چھے بجے ملتان میں انتقال فرما گئے۔ ان کی نماز جنازہ سپورٹس گراؤنڈ ملتان میں حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم نے پڑھائی۔ علماء، دینی مدارس کے طلباء اور زندگی کے مختلف شعبوں سے تعلق رکھنے والے حضرات کی بڑی تعداد نمازِ جنازہ میں شریک ہوئی۔ حضرت حکیم صاحب کو ان کے مُربی و محسن حضرت امیر شریعت کے جوار میں سپردِ خاک کیا گیا۔ مرحوم پاکستان کے مایہ ناز طبیب، عالم دین، حافظ قرآن اور صاحب نسبت بزرگ تھے۔ علماء و مشائخ کے خادم اور قرآن کریم کے عاشق تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کے درجات بلند فرمائے اور حسنات قبول فرما کر جوارِ رحمت عطا فرمائے۔ (آمین)

سید محمد یونس شاہ مرحوم:

مدیر نقیب ختم نبوت سید محمد کفیل بخاری کے چچا سید محمد یونس شاہ صاحب ۱۳ فروری بروز ہفتہ لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم کو دل کا شدید دورہ پڑا، وہ جانبر نہ ہو سکے اور خالقِ حقیقی سے جا ملے۔

میاں محمد اسلم جان مجدّدی رحمۃ اللہ:۔

مجلس احرارِ اسلام لاہور کے رہنما میاں محمد اویس کے نانا اور ہمارے قدیم مہربان و کرم فرما میاں محمد اسلم جان مجدّدی ۱۳، فروری ۱۹۹۹ء، بروز ہفتہ لاہور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم جیّد عالم دین اور جامعہ فتحیہ لاہور کے سرپرست تھے۔ دینی مدارس اور دینی جماعتوں کے معاون تھے۔ اخلاص و للّھیت کا نمونہ کامل تھے۔ مجلس احرار اسلام ہند کے خازن حضرت میاں محمد رفیق اور میاں قمر الدین رحمہم اللہ کے خاندان کی آخری نشانی تھے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور لواحقین کو صبرِ جمیل عطا فرمائے (آمین)

مولانا سید محمد طیب شاہ ھمدانی رحمۃ اللہ:۔

ممتاز عالم دین مولانا سید محمد طیب شاہ ھمدانی گزشتہ ماہ قصور میں انتقال کر گئے۔ مرحوم، جانشین امیر شریعت حضرت مولانا سید ابو معاویہ ابوذر بخاری رحمۃ اللہ علیہ کے ہم سبق تھے۔ تمام عمر خدمت اسلام میں مشغول رہے۔ اللہ تعالیٰ ان کی مغفرت فرمائے اور حسنات قبول فرمائے۔ سیأت معاف فرمائے اور پسماندگان

کو صبر عطا فرمائے۔ (آمین)

صوفی محمد شفیع مرحوم:۔

مجلس احرار اسلام کے قدیم اور ایثار پیشہ کارکن جناب صوفی محمد شفیع ۹، فروری ۱۹۹۹ء بروز منگل ملتان میں انتقال کر گئے۔ وہ مغیرہ یونانی دواخانہ کے مالک حکیم حافظ فتح محمد صاحب کے والد تھے۔ مرحوم انتہائی خود دار، مزدوری کر کے رزق حلال کمانے والے، راسخ عقیدہ و ایمان کے حامل اور صحابہ کرام رضی اللہ عنہم سے بے پناہ محبت کرنے والے انسان تھے۔ تقریباً ۷۶ برس عمر پائی۔ طویل عرصہ سے دمہ اور دیگر عوارض میں مبتلا تھے۔ تاہم انہوں نے نہایت صبر و شکر اور استقامت کے ساتھ زندگی کے سانس پورے کئے اور اپنے رب کے حضور پیش ہو گئے۔ حق مغفرت کرے عجب آزاد مرد تھا۔

والدہ محمد امیر صاحب:۔

مدرسہ معمورہ، موضع جھینا (میلسی) کے ناظم اور مجلس احرار اسلام کے کارکن جناب محمد امیر صاحب کی والدہ ماجدہ گزشتہ ماہ رحلت فرما گئیں۔

اراکین ادارہ تمام مرحومین کی مغفرت کی دعاء کرتے ہیں اور پسماندگان سے اظہار تعزیت کرتے ہیں۔ قارئین سے درخواست ہے کہ وہ بھی ایصال ثواب اور دعاء مغفرت کا اہتمام فرمائیں۔ (ادارہ)

حافظ محمد نعیم الحق نعیم:

معروف اہل حدیث عالم دین اور ہفت روزہ "الاعتصام" لاہور کے مدیر حافظ محمد نعیم الحق نعیم گزشتہ ماہ ریل کے حادثہ میں جاں بحق ہو گئے۔ انا للہ وانا الیہ راجعون۔ اللہ تعالیٰ مرحوم کے درجات بلند فرمائے اور اپنے جوار رحمت میں جگہ عطاء فرمائے۔ اراکین ادارہ، مرحوم کے لواحقین اور الاعتصام کے عملۂ ادارت سے اظہار ہمدردی کرتے ہیں اور ان کے غم میں شریک ہیں۔

دعاء صحت

قائد احرار حضرت سید عطاء المحسن بخاری کی شدید علالت

ابن امیر شریعت قائد احرار حضرت سید عطاء المحسن بخاری دامت برکاتہم گزشتہ ماہ سے تاحال شدید علیل ہیں۔ احباب و کارکنان احرار اور قارئین سے درخواست ہے کہ حضرت شاہ جی کی صحت یابی کے لئے خصوصی دعاء کا اہتمام فرمائیں۔

اللہ تعالیٰ انہیں شفاء کاملہ عطاء فرمائے اور قافلۂ احرار ان کی قیادت میں سرگرم عمل رہے۔ (آمین)

باذوق قارئین کے لئے نئی کتابیں

حضرت مولانا محمد علی جالندھری رحمہ اللہ

- مجاہد ختم نبوت اور عظیم مبلغ کی داستان حیات
- جدوجہد اور خدمات

تالیف:
مولانا محمد سعیدالرحمن علوی رحمہ اللہ

قیمت: =/۱۰۰ روپے

مقدمہ:
حضرت مولانا خواجہ خان محمد صاحب دامت برکاتہم

حضرت مولانا قاضی احسان احمد شجاع آبادی رحمۃ اللہ علیہ

- قافلۂ احرار کے عظیم فرد
- سفیر اسلام اور پاسبان ختم نبوت کے سوانح و افکار
- تبلیغی و سیاسی خدمات

تالیف: مولانا محمد اسمٰعیل شجاع آبادی

- قیمت =/۱۵۰ روپے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان۔ فون: 511961 - 061

کذباتِ مرزا

از: مولانا محمد عبدالواحد مخدوم

قیمت=/200روپے

اس کتاب میں مرزا غلام احمد قادیانی کے ایک سو جھوٹ اور متعدد جھوٹی پیش گوئیاں ان کی اپنی کتب سے جمع کی گئی ہیں اور ساتھ ہی مختلف سوالات کے جوابات بھی دیئے گئے ہیں تاکہ اس کے مطالعہ سے قارئین پر واضح ہو جائے کہ قادیانیت، مرزائیت جھوٹ پر مبنی ایک باطل فرقہ ضالہ ہے

بخاری اکیڈمی دار بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

اسلام اور مرزائیت

ایک اہم کتاب جو ایک عرصہ سے نایاب تھی

اسلام اور مرزائیت کا تقابلی مطالعہ

تالیف: حضرت مولانا عتیق الرحمٰن آروی رحمہ اللہ

صفحات: ۵۶، قیمت: ۲۰ روپے

بخاری اکیڈمی دارِ بنی ہاشم مہربان کالونی ملتان

اسلام کی ابدی صداقتوں اور انسانی رفعتوں کا مبلغ عالمی اردو جریدہ

ماہنامہ

نورٌ علیٰ نور

کراچی

یہ رسالہ نہیں حق کا دستور ہے
اس کا ہر حرف نورٌ علےٰ نورٌ ہے
اعجاز رحمانی

زیرِ ادارت

مولانا عبد الرشید انصاری

اسلام کی ہمہ گیر تعمیری، فلاحی، آفاقی دعوت، قرآن و سنت کی نجات آفرین انقلابی تعلیمات، ملت اسلامیہ کی نشأۃ ثانیہ واتحاد، عالم اسلام کے اجتماعی وقار و مفاد، مملکت خداداد پاکستان کی سلامتی واستحکام، دینی اقدار کی بالادستی کے قیام اور حیات مسلم کے تمام گوشوں معیشت و معاشرت کو اسلامی شریعت کے تابع فرمان بنانے کی پاکیزہ سوچ اور پر خلوص امنگوں پر مبنی مضامین ومقالات اور فکر انگیز تبصروں سے مزین

منفرد ماہنامہ

مجلّہ نورٌ علےٰ نورٌ نے

دہر میں اسم محمدؐ سے اجالا پھیلانے کے جذبوں سے سرشار ہو کر

مارچ ۱۹۹۹ء سے اشاعت کا آغاز کر دیا ہے

بدل اشتراک =/120 روپے سالانہ، دینی مدارس کے طلباء واساتذہ کرام کے لئے صرف =/60 روپے سالانہ

ناظم اشاعت

ماہنامہ نورٌ علےٰ نورٌ۔ مسجد عائشہ صدیقہؓ سیکٹر ۱۱۔بی، نارتھ کراچی۔ فون: 6996518

زندگی کے سارے سُکھ، صحّت اور تن دُرستی سے ہیں

تن سُکھ سے تن دُرست

تن سُکھ جسم و جاں کو تقویت پہنچاتا ہے، نظامِ ہضم اور افعالِ جگر کی اصلاح کرتا ہے۔

ہمدرد

مدینۃ الحکمۃ تعلیم، سائنس اور ثقافت کا عالمی منصوبہ۔
آپ ہمدرد دوست ہیں۔ اعتماد کے ساتھ مصنوعاتِ ہمدرد خریدتے ہیں۔ جائز منافع بین الاقوامی شہرِ علم و حکمت کی تعمیر میں لگ رہا ہے۔ اس کی تعمیر میں آپ بھی شریک ہیں۔

Adarts -HTS-12/97(R)

ماہنامہ نقیبِ ختمِ نبوت ملتان

کے دو عہد ساز نمبر

امیر شریعت نمبر

بیاد

امیر شریعت خطیب الامت، بطلِ حریت سید عطاء اللہ شاہ بخاری رحمہ اللہ

● اردو زبان کے سب سے بڑے خطیب کے سوانح و افکار ● ایک تاریخ، ایک دستاویز، ایک داستان ● خاندانی حالات، سیرت کے مجلا اوراق ● خطابتی معرکے، سیاسی تذکرے ● بزم سے لیکر رزم اور منبر و محراب سے لے کر دار و رسن تک ● نصف صدی کے ہنگاموں، جہادی معرکوں، تہذیبی محاربوں، مذہبی سازشوں، سیاسی مجادلوں اور علمی محاذ آرائیوں کی فضا میں ایک آوازِ ہدایت، جو بصیرت، حریت اور بغاوت کا سرچشمہ تھی ●

خوبصورت سہ رنگا سرورق، مجلد، اعلیٰ طباعت

صفحات: ۵۷۶ ، قیمت ۳۰۰ روپے

مستقل سالانہ خریداروں کے لئے خاص رعایت صرف ۲۰۰ روپے پیشگی منی آرڈر بھیج کر طلب فرمائیں۔

جانشین امیر شریعت نمبر

بیاد

جانشین امیر شریعت قائد احرار

سید ابومعاویہ ابوذر بخاری رحمہ اللہ

● ایک قادر الکلام خطیب اور متبحر عالم دین کے سوانح و افکار ● ایک مفکر اور قائد کے عزم و ہمت اور جرأت و شجاعت کا تذکرہ ● ایک شاعر و ادیب اور محقق کی علمی ادبی، صحافتی اور دینی و تحریکی خدمات ● تاریخ احرار کا ایک روشن باب ● فکر احرار کا امین و وارث ● عظمت صحابہ کا نقیب و محافظ ● ایک مفکر، مبلغ، خطیب اور ادیب کی داستانِ حیات

صفحات: ۳۰۰ ، قیمت ۵۰ روپے

پیشگی منی آرڈر بھیج کر رجسٹرڈ ڈاک سے حاصل کریں

ماہنامہ نقیبِ ختم نبوت: دارِ بنی ہاشم، مہربان کالونی ملتان فون: 061-511961